دسمبر ۸۸ء

ماہنامہ

حکمتِ قرآن

لاہور

مدیرِ مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

حرفِ اوّل	عاکف سعید	۳
بصیرتِ قرآن : (قسط نمبر ۲۷)	مولانا محمد تقی امینی	[illegible]
اسلام کا روحانی نظام	پروفیسر حافظ احمد یار	[illegible]
علامہ سید سلیمان ندوی : شخصیت و علمی خدمات	عبد الرشید عراقی	[illegible]
حکمتِ اقبال : (قسط نمبر ۱۵)	محمد رفیع الدین مرحوم	[illegible]
نقطۂ نظر : (سیاست نوٹنکی ڈرامے)	از : ابو عبد اللہ	[illegible]
اشاریہ حکمتِ قرآن (بابت سال ۱۹۸۸ء)	مرتب : حافظ خالد محمود خضر	۵۹

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

اِنْ شَاءَ اللّٰہُ الْعَزِیْز وبعونہٖ تعالےٰ

انجمن خُدّامُ القرآن سندھ کراچی

کے زیر اہتمام

۱۷ تا ۲۱ دسمبر ۸۸ء ریکس آڈیٹوریم صدر کراچی میں

اسلام کا نظامِ حیات

کے موضوع پر "محاضراتِ قرآنی" منعقد ہوں گے جن میں روزانہ بعد نمازِ مغرب

ڈاکٹر اسرار احمد

صدر مؤسّس، مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور ——— و امیر تنظیم اسلامی

- **اسلامی نظام کی نظریاتی اساس**
- اسلام کا اخلاقی و روحانی نظام
- اسلام کا سماجی و معاشرتی نظام
- اسلام کا سیاسی و ریاستی نظام اور
- اسلام کا معاشی و اقتصادی نظام

کے موضوع پر خطاب فرمائیں گے اور متعلقہ سوالات کے جواب دیں گے

ع "صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لیے!"

المعلن: (سیّد) سراج الحق، صدر، انجمن خدام القران سندھ

D-56، بلاک بی، نارتھ ناظم آباد، کراچی (فون :- ۶۲۴۴۵۰)

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا

(البقرة: ۲۶۹)

ماھنامہ

حکمتِ قرآن

لاھور

جاری کردہ: ڈاکٹر محمد رفیع الدین، ایم اے، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ ۔ مرحوم

مدیر اعزازی: ڈاکٹر ابصار احمد، ایم اے، ایم فل، پی ایچ ڈی،

معاون مدیر: حافظ عاکف سعید، ایم اے (فلسفہ)

مینجنگ ایڈیٹر: اقتدار احمد

جلد ۷ | دسمبر ۱۹۸۸ء مطابق ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ | شمارہ: ۱۲

— یکے از مطبوعات —

مرکزی انجمن خدام القرآن لاھور

۳۶۔ کے۔ ماڈل ٹاؤن۔ لاھور ۱۴۔ فون: ۸۵۶۰۰۳

کراچی آفس: ۱۱ داؤد منزل متصل شاہ بخری، شاہراہ لیاقت کراچی فون: ۲۱۶۵۸۶

سالانہ زرِ تعاون -/۴۰ روپے فی شمارہ -/۴ روپے

مطبع: آفتاب عالم پریس، ہسپتال روڈ لاہور

حرفِ اوّل

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

زیرِ نظر شمارے سے حکمتِ قرآن کی ساتویں جلد پایۂ تکمیل کو پہنچ رہی ہے۔ فللّٰہ الحمد والمنّہ۔
حسبِ سابق سال بھر کے دوران شائع ہونے والے تمام مضامین کا ایک اشاریہ شاملِ اشاعت کیا جا رہا ہے۔

اس شمارے میں پروفیسر حافظ احمد یار صاحب کا ایک وقیع مضمون 'اسلام کا روحانی نظام' شامل ہے۔ یہ مبسوط مقالہ مارچ ۸۸ء میں انجمن خدام القرآن لاہور کے زیرِ اہتمام منعقدہ محاضراتِ قرآنی میں پیش کیا گیا تھا۔ قارئین کو یاد ہوگا کہ اس بار محاضراتِ قرآنی کی وہ نشست بہت بھرپور تھی جس کا عنوان ہی 'اسلام کا روحانی نظام' تجویز کیا گیا تھا۔ اس موقع پر پیش کیے گئے تمام مقالات کو سالِ رواں کے دوران 'حکمتِ قرآن' کے مختلف شماروں میں شائع کیا جا چکا ہے۔ حافظ صاحب کا مذکورہ بالا مقالہ اس سلسلے کی آخری کڑی ہے۔ لیکن اس سلسلۂ مضمون کا تکملہ، جس کا قارئین کو کئی ماہ سے انتظار ہے محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ذمے ایک قرض کی شکل میں ابھی باقی ہے۔ خیال ہے کہ اس سلسلے کی تکمیل پر ان تمام مقالات و مضامین کو یکجا کتابی شکل میں شائع کر دیا جائے گا۔

ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم کی شہرۂ آفاق تصنیف 'منشورِ اسلام' کے ترجمے کی قسط وار اشاعت جو محترم ڈاکٹر ابصار احمد کی بعض مصروفیات کے باعث کئی ماہ سے موقوف تھی، ان شاء اللہ العزیز جنوری ۸۹ء سے اس کی اشاعت کا سلسلہ ازسرِنو شروع کر دیا جائے گا، اور کوشش کی جائے گی کہ آئندہ اس کی اشاعت میں تعطل واقع نہ ہو۔ وباللّٰہ التوفیق وہو المستعان۔

برائے فوری توجّہ
مورخہ دو اکتوبر ۱۹۸۸ء سے
مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
۳۶ - کے، ماڈل ٹاؤن
کے نئے ٹیلی فون نمبرز
پرانے نمبر
۸۵۲۶۱۱
۸۵۲۶۸۳
نئے نمبرز
۸۵۶۰۰۳
۸۵۶۰۰۴

(۲۷)

ہدایت القرآن

مولانا محمد تقی امینی

غیر متعلق سوال اور بیجا اعتراض سے زندگی کی سطح کا پتہ چلتا ہے

بچپن کی باتیں بچپن ہی میں اچھی لگتی ہیں۔ بڑے ہونے کے بعد ان باتوں کی گنجائش نہیں رہتی ہے۔ قوم جب زندگی کے ابتدائی زمانہ میں ہوتی ہے تو اس میں بہت سی خامیاں رہتی ہیں جن میں طرح طرح کے بچپانہ سوالات بھی ہیں لیکن جب اس میں پختگی آجاتی ہے تو پھر وہی سوالات اس کو نظروں سے گرادیتے ہیں۔

یہودی اپنے ابتدائی زمانہ کے سوالات نومسلموں کو سکھا کر ان کو شکوک وشبہات میں مبتلا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں زندگی اس حد تک ترقی کرگئی تھی کہ اب نہ ان سوالات کی گنجائش تھی اور نہ ان کی راہ سے شکوک وشبہات پیدا کرنے کی گنجائش تھی۔ آیت میں زندگی کی اسی سطح کا ذکر ہے۔ اس پر تفصیلی بحث کسی اور موقع پر آئے گی۔ راقم الحروف کی کتاب "حکمت القرآن" میں ص ۹۷ تا ۱۰۲ میں یہ بحث موجود ہے۔[۱]

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ
وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ○
وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ
كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ
لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ

---

[۱] یہ کتاب مئی ۸۶ء میں ندوۃ المصنفین جامع مسجد دہلی سے شائع ہوچکی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○

"کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے رسولؐ سے ایسے ہی سوال کرو جیسے اس سے پہلے موسیٰؑ سے سوال کئے گئے تھے اور جس شخص نے ایمان سے کفر کو بدلا تو وہ سیدھے راستہ سے گمراہ ہوگیا[1]۔ اکثر اہل کتاب اپنے حسد کی وجہ سے حق ظاہر ہونے کے بعد بھی یہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح تمہیں ایمان لانے کے بعد پھر کفر کی طرف لوٹا دیں[2]۔ انہیں معاف کر دو اور درگزر کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیجے بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے[3] اور نماز قائم کئے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور جو بھی نیکی اپنے واسطے آگے بھیجو گے اسے اللہ کے یہاں پاؤ گے بے شک جو کچھ تم کرتے ہو وہ سب اللہ دیکھتا ہے[4]۔

★★★

[1] یہاں سوال سے بیجا اعتراض مراد ہیں جو دینی جذبے سے نہیں بلکہ حسد وجلن کی وجہ سے یا دوسروں کے سکھانے سے کئے جاتے ہیں ان کا انجام بتا دیا گیا ہے کہ وہ گمراہی وکفر تک پہنچا دیتے ہیں۔

[2] جو اعتراض حسد وجلن کی وجہ سے ہوتے ہیں ان میں زیادہ جان نہیں ہوتی ہے وہ تو محض اس وجہ سے ہوتے ہیں کہ کسی طرح نیچا دکھا کر اس کو اپنی جگہ سے گرا دیا جائے تاکہ لوگ اس کی بات کی طرف متوجہ نہ ہوں اگرچہ وہ حق بات ہی کیوں نہ ہو۔

[3] یہ زمانہ زندگی کی تعمیر اور اس کی تربیت پر سارا زور لگا دینے کا تھا، مقابلہ آرائی کا وقت ابھی نہیں آیا تھا اس بنا پر نظر انداز کرنے اور درگذر کر دینے کا حکم دیا گیا۔

[4] روحانی واخلاقی زندگی کی تعمیر وتربیت میں نماز و زکوٰۃ اور خیر وبھلائی کے کاموں کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ ان کے ذریعے زندگی کی جیسی تعمیر وتربیت ہوتی ہے وہی اللہ کی راہ میں جہاد کے لائق بنتی ہے اور اللہ کی راہ میں فساد سے نجات دلاتی ہے۔ اسی بنا پر اللہ کی بھیجی ہوئی ہدایت میں زندگی

کی ابتدا و انتہا ہر دور میں ان کی غیر معمولی اہمیت تسلیم کی گئی ہے۔

فرقہ پرستی و گروہ بندی تنگ نظر بنا دیتی ہے

علم وعمل اور ان کے فائدے وثمرات کسی کی میراث نہیں ہیں لیکن فرقہ پرستی و گروہ بندی انسان کو ایسا تنگ نظر بنا دیتی ہے کہ بس اپنے ہی فرقہ اور گروہ کے لوگوں میں علم وعمل نظر آتا ہے اور پھر ان کے فائدے و ثمرات اپنے ہی لوگوں کے لیئے خاص کر لیئے جاتے ہیں۔ ان آیتوں میں اسی کی برائی اور اللہ کے عام قانون کا ذکر ہے۔

وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ ۗ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ ۗ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ وَقَالَتِ النَّصَارَىٰ لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَىٰ شَيْءٍ وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ ۗ كَذَٰلِكَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝

" اور کہتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ کے سوا کوئی اور جنت میں ہرگز نہ جائے گا یہ ان کی خام خیالیاں ہیں۔ آپ کہہ دیجیئے کہ اگر سچے ہو تو اپنی دلیل لاؤ، ہاں جس نے اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دیا اور وہ دیانت دار بھی ہے تو اس کے لیئے اس کا بدلہ اس کے رب کے یہاں ہے اور ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور یہودی کہتے ہیں کہ نصاریٰ کچھ نہیں ہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہودی

پر نہیں حالانکہ وہ سب کتاب پڑھتے ہیں ایسی ہی باتیں وہ لوگ بھی کہتے ہیں جن کے پاس علم نہیں ہے پس اللہ خود ہی قیامت کے دن ان باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں وہ جھگڑ رہے ہیں ۔

○

[1] دنیا و آخرت ۔ مسلمانوں کی قومی زندگیاں اسی وقت ترقی کرتی ہیں جب دین کا سچا علم باقی رہتا ہے اور جب یہ سچا علم باقی نہیں رہتا ہے تب دین کے نام پر چند کام رہ جاتے ہیں جن کے کرنے سے دنیوی فتوحات کی امید باندھ لی جاتی ہے اور آخرت کی کامیابی کا فیصلہ کر لیا جاتا ہے ۔

[2] یہ اللہ کا قانون بیان ہوا ہے کہ اللہ کی رضا و خوشنودی اور اس کی جنت اسی کو حاصل ہوتی ہے جو اپنے آپ کو دیانت داری کے ساتھ اللہ کے حوالہ کر دے خواہ کسی گروہ اور پارٹی کا ہو ۔ آیت میں دیانت داری کی قید بڑی اہم ہے اس کے بعد توقع ہے کہ جہاں بھی حق بات ہوگی اس کو قبول کرنے میں رکاوٹ نہ ہوگی

[3] یہ پارٹی بندی و گروہ سازی کی خاصیت بیان ہوئی ہے کہ ہر ایک خوش فہمی و خود فریبی میں مبتلا ہوتا ہے ۔ ہر ایک صرف اپنے کو حق سمجھتا ہے اور اپنے سے باہر کہیں "حق" ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتا ہے ۔ ایسی حالت میں لوگوں سے یہ امید بے سود ہے کہ وہ حق و ناحق کا فیصلہ کریں ۔ پس اللہ ہی ان کی اختلافی باتوں میں فیصلہ کرے گا کہ کون حق پر تھا اور کون ناحق پر تھا ۔ (جاری ہے)

خصوصی توجّہ

- پرچے کے لفافے پر مندرج اپنا خریداری نمبر نوٹ کر لیجئے بلکہ یاد کر لیجئے اور خط و کتابت کرتے وقت اس کا حوالہ ضرور دیجئے ۔
- خصوصاً اگر آپ پرچہ کی عدم وصولی کی شکایت کر رہے ہیں تو خریداری نمبر کا حوالہ اشد ضروری ہے ۔
- بدلِ اشتراک روانہ کرتے وقت بھی خریداری نمبر کا حوالہ ضروری ہے ۔
- بدلِ اشتراک کسی ذاتی نام کی بجائے مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن کے نام روانہ کیجئے ۔

پروفیسر حافظ احمد یار

اسلام کا روحانی نظام

محترم صاحب صدر اور معزز سامعین!

اصل موضوع پر بات کرنے سے پہلے تین وضاحتیں ضروری معلوم ہوتی ہیں :۔

(۱) سب سے پہلے یہ کہ مقالہ نگار کوئی "روحانی عامل" نہیں اور نہ ہی موضوعِ گفتگو عملیات ۔تعویذ گنڈے یا "طلسمات" ہیں۔ یہ نظام بھی ہمارے ہاں رائج ہے اور صحیح معنوں میں ایک "عوامی نظام" ہے اور شکم پروری کے سامانوں میں سے ایک سامان ہے۔ اس "روحانی دنیا" میں جہالت اور توہم پرستی (SUPERSTITIONS) کے عناصر اتنے زیادہ ہیں کہ اس قسم کے "اعمال" کی شرعی اصل اگر کوئی تھی بھی تو ـــ وہ تو ـــ پس منظر میں چلی گئی ہے ـــ اور ہمارا یہ نام نہاد "روحانی نظام" اب تو عرب جاہلیت کے کاہنوں اور یہود کے جادوگروں کی یاد دلاتا ہے۔

(۲) دوسری وضاحت یہ ضروری ہے کہ روحانی نظام سے ہماری مراد انسان کی بعض باطنی استعدادات کی وہ تربیت بھی نہیں جسے ہپناٹزم ومسمریزم ۔یوگا اور ٹمو وغیرہ کے نام دیئے جاتے ہیں۔ یہ چیزیں انسان کے اندر ایک غیر مادّی قوّت یا قوّتوں کے وجود کا پتہ تو دیتی ہیں یعنی انسان کی مادّی یا جسمانی قوّتوں سے ماوراء۔ اس کے اندر۔ کچھ ایسی غیر مادّی یا روحانی یا باطنی قوّت بھی موجود ہے جس کی تربیت کی جا سکتی ہے۔

اور اسی کے ساتھ وابستہ ہے کشف وکرامات یا ان سے ملتا جلتا وہ نظام جس کے وجود کا پتہ ہر مذہب وملّت میں ملتا ہے اور جسے قطعی معیارِ حق ہرگز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اور اگرچہ اس میں بھی دھوکے اور فراڈ کو حقیقت سے متمیز کرنا کارِ دشوار ہے تاہم موضوع دونوں صورتوں میں روحِ انسانی یا انسان کی روحانی قوّت ہے۔

اسلامی روحانی نظام کی اصل غرض وغایت "روح کا تزکیہ" ہی ہے۔ انسان کی رُوحانی یا غیر مادی قوتوں کی پرورش وتربیت اور اس کی نمائش (DEMONSTRATION) اور اس کے مقابلے پر "اسلامی تزکیۂ روح" کی مثال ایک بزرگ نے یوں دی تھی کہ آپ کسی دھات وغیرہ کی بنی ہوئی چیز کو پیشاب سے دھوکر بھی، اس کا میل اور زنگ دور کرکے اس میں ایک صیقل اور جلاء (چمک) پیدا کر سکتے ہیں۔ تاہم یہ صیقل وجلاء طہارت سے محروم رہے گا جب کہ اسلام میں روح کی اس صیقلگری کی بنیاد ہی۔ ظاہری وباطنی طہارت پر ہے۔

(۳) اس سلسلے میں تیسری وضاحت یہ ہے کہ اس مقالہ کا موضوع کوئی "درسِ تصوّف" بھی نہیں ہے اور یہ اوّلاً تو اس لئے کہ مقالہ نگار کوئی عار محسوس کئے بغیر یہ اقرار کرتا ہے کہ وہ اس "فن" کا مبتدی بھی نہیں۔ ثانیاً یہ بھی کہ تصوّف اپنے درست معنوں میں بھی تعلیم یا محض تقریر نہیں بلکہ ایک "تربیت" کا نام ہے۔ اور اس کا مقام "پبلک سٹیج" نہیں ہے۔ اور ثالثاً یہ بھی کہ اس معاملے میں پاکستانی مصنوعات کی طرح اصلی اور نقلی کی پہچان کارِ دشوار ہے۔ امام غزالیؒ کو یہ شکایت تھی کہ تصوّف میں مدّعی زیادہ اور کاملین یا مخلصین کم ہیں۔ اور اب تو اس وقت کی نسبت بھی "خیرالقرون" سے قریباً ایک ہزار سال اور بھی پیچھے جا پڑے ہیں۔ اور اب تو تصوّف کے وارثوں کی حالت بھی مسلم لیگ کے وارثوں کی سی ہے۔ جن کے پاس سب سے وزنی اور جاندار نعرہ "پدرم سلطان بود" رہ گیا ہے۔

"روحانی نظام" میں روح کی حقیقت کیا ہے؟ اس کے بارے میں تو ہم "اَلرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ" سے آگے کچھ نہیں جانتے۔ مگر یہ بات ظاہر ہے کہ روح اس جسدِ خاکی کے علاوہ کوئی اور چیز ہے۔ انسان جسم اور روح کا مجموعہ ہے۔ اور یہ بات تو اجتماعی عقلِ انسانی نے تسلیم کر لی ہے کہ جسم کی اپنی دنیا ہے اور روح کی اپنی دنیا ہے۔ دونوں کی اپنی اپنی ضروریات اور خواہشات ہیں۔ خود بھوکا ہوتے ہوئے اپنی روٹی کسی غریب کو دے دینے میں دکھ کی بجائے لذّت کیوں محسوس ہوتی ہے؟ یہ لذّت جسمانی ہے یا روحانی؟ اسی طرح جیب میں مال رکھتے ہوئے کسی معذور اور مجبور کی مدد نہ کرنا ——— حالانکہ اس کی مجبوری اور معذوری کو وجود میں لانے میں ہمارا کوئی قصور نہ ہو ——— ایسے آدمی کی ——— استطاعت

کے باوجود ــــــ مدد نہ کرنا آخر (انسانی معاشرے میں) مذموم کیوں سمجھا جاتا ہے؟

الغرض جسم کی طرح روح کی بھی ضروریات، خواہشات اور استعدادات ہیں۔ اس کا ایک واضح اور بیّن ثبوت یہ بھی ہے کہ اگر انسان کی ساری جسمانی ضروریات پوری کر دی جائیں۔ بلکہ تمام جسمانی آسائشیں بھی مہیّا کر دی جائیں تو ضروری نہیں کہ وہ اندرونی ــــــ روحانی اور قلبی ــــــ امن و سکون سے بھی بہرہ ور ہو جائے۔ ہمارے دور سے زیادہ جسمانی اور مادی آسائشیں بلکہ تعیّشات غالباً تاریخ کے کسی دور میں انسان کو حاصل نہیں ہوئیں۔ لیکن بایں ہمہ ہم دیکھتے ہیں کہ آج نیند جیسا فطری عمل بھی گولیوں اور دواؤں کا مرہونِ منّت بن کر رہ گیا ہے۔

بعض قوموں یا ملّتوں کا خیال ہے کہ جسم اور روح کے مقتضیات اور مفادات میں ایک تضاد اور تعارض ہے اور ایک کی ترقی دوسرے کی تنزّلی یا تباہی کے بغیر ممکن نہیں ــــــ اسی نظریہ سے ــــــ ایک طرف تو نری مادی لذّت پرستی ــــــ اور دوسری طرف ترکِ لذّات بلکہ ترکِ ضروریات ــــــ جیسے متضاد اور انتہا پسندانہ نظریات وجود میں آئے۔

دینِ اسلام نے جسم اور روح کے تقاضوں کو افراط اور تفریط سے ہٹا کر ایک حکیمانہ توازن اور اعتدال کی راہ دکھائی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ہمارے جسمانی افعال و اقوال ہماری روح کو متأثر بھی کرتے ہیں اور اس سے متأثر بھی ہوتے ہیں۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ ہمارے ظاہری افعال و اعمال ہماری باطنی یا روحانی کیفیت کے اسباب بھی ہوتے ہیں اور بعض دفعہ اس کی علامات بھی ہوتے ہیں۔ جسم اور روح کے اس تعلق اور ان کی فعّالیت اور انفعالیت کی بنا پر دینِ اسلام نے جسم اور روح دونوں کی اصلاح اور فلاح کے لئے احکام دیئے ہیں۔ جن احکام کا تعلق ظاہری جسمانی اعمال کی درستی سے ہے اسے ہم فقہ یا "فقہ الشریعۃ" کہہ سکتے ہیں۔ اور جن امور کا تعلق اعمال کے باطنی اور روحانی پہلو سے ہے۔ اسے بقول سید ابوالحسن علی ندوی ہم "فقہ الباطن" سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔

جس طرح جسم کی ظاہری صحت اور راحت منجملہ دیگر امور کے دراصل تو منحصر ہے اس کے اندرونی اعضاء اور خصوصاً اعضائے رئیسہ مثلاً دل، دماغ اور جگر وغیرہ کی درست کارکردگی پر ــــــ اسی طرح انسان کی روحانی یا باطنی صحت اور قوت کا سرچشمہ ہیں انسان کی تین لطیف

باطنی استعدادات جسے اکثر صوفیہ "لطائفِ ثلاثہ" سے تعبیر کرتے ہیں یعنی (۱) لطیفۂ عقل، (۲) لطیفۂ قلب اور (۳) لطیفۂ نفس۔

ان میں سے "عقل" ان علوم کا منبع اور مخزن ہے جن کو انسان حواس کے ذریعے حاصل کرتا ہے یعنی تجربہ اور مشاہدہ سے حاصل ہونے والا علم ـــــ بلکہ عقل ہی کے ذریعے ان حقائق و معارف کا ادراک ہوتا ہے جن کے ادراک سے، بعض دفعہ، حواس قاصر رہتے ہیں۔ عقل کی صفات اور اس کے افعال ہی میں شامل ہے یقین، شک، توہّم، ہر ایک واقعہ کا سبب تلاش کرنا اور حصولِ منافع یا دفعِ مضارّ کی تدبیریں سوچنا وغیرہ۔ لطیفۂ عقل حواس کی مدد کا محتاج ہے۔ اور اگر حواس عقل کے ادراک کے لئے مواد بہم نہ پہنچائیں تو عقل کے معطّل اور بے کار ہونے میں کچھ شک نہیں۔

دوسرا لطیفہ قلب (دل) ہے۔ جو حُب اور بغض کا منبع ہے اور ارادہ و اختیار اس سے صادر ہوتے ہیں۔ نیز اس قلب کے ہی افعال اور صفات ہیں غضب اور جرأت، بزدلی یا بہادری، بخل اور سخاوت، خوف و رجاء اور حُب و بغض کے متعلق تلوّن کا مظاہرہ۔ بالفاظ دیگر تمام خیر و شر کا اصل منبع اور مخزن یہی "قلب" ہے۔ اس پر مزید بات ابھی آگے آئے گی۔

تیسرا لطیفہ نفس ہے۔ یہ اس (استعداد) کا نام ہے جس میں مستلذات یعنی کھانے پینے کی لذیذ اشیاء کی طلب اور جنسی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ نفس ان چیزوں کا حریص رہتا ہے ـــــ اور ویسے اس حرص کا ایک فائدہ بھی ہے کیونکہ بقول حضرت شاہ ولی اللہؒ، نفس ہی ان امور کا تقاضا کرتا ہے جن کے بغیر "ہیکل انسانی" یعنی فرد یا معاشرہ کا قائم رہنا محال اور ناممکن ہے۔ کھانے پینے، سونے اور جنسی تعلق کے یہ تقاضے ہی انسان کی حیوانی زندگی کا دائرہ ہے، تاہم حیوانی زندگی کے تقاضوں اور ضروریات تک محدود رہ جانا یا صرف اسی زندگی کی آسائشوں کو ہی نصب العین بنالینا ـــــ مذموم کام ہے۔

یہ ہر سہ لطائف یعنی عقل، قلب اور نفس ایک دوسرے کی مدد اور اعانت کے محتاج ہیں۔ مثلاً ادراک عقل کا کام ہے اور غضب یا بغض و محبت کا منبع قلب ہے ـــــ اگر

کوئی آدمی تلخ یا شیریں کلام یا وعظ وانذار کا ادراک ہی نہ کر سکے تو اس کے جذباتِ حب وبغض اور خوف ورجاء میں کوئی ہیجان پیدا نہ ہوگا ــــ اسی طرح اگر قلب کی اعانت شامل نہ ہو اور وہ اعضاء کو اپنے حسبِ ارادہ تصرف میں نہ لائے تو انسان کا اپنے مقاصد کے حصول کے لئے تگ ودو کرنا ممکن نہیں ہے ۔ یا یوں کہئے کہ جو بات دل میں نہ جمے یا جس بات پر دل نہ جمے مثلاً عقیدہ ــــ تو اعمال میں اس کا اثر قطعاً ظاہر نہیں ہوگا ۔

پھر یہ بات بھی تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہے کہ ان لطائفِ ثلاثہ کے تقاضے مختلف افراد میں جبلّتاً یا عادتاً مختلف ہوتے ہیں ۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے قلب (کے ارادہ) کو ان کے نفس (کی خواہشات) پر پورا تسلّط حاصل ہوتا ہے ۔ ایسے آدمی کو جب کسی اعلیٰ مقصد کی طلب پیدا ہوتی ہے تو وہ اس کے لئے بڑی سے بڑی نفسانی لذّت کو بھی بلا تامّل ترک کر دیتا ہے ــــ یا مثلاً وہ بھوکا اور چیتھڑوں میں ہوتے ہوئے بھی ــــ اپنی عزتِ نفس کی خاطر ــــ کسی کے آگے دستِ سوال دراز نہیں کرتا ــــ اس کے برعکس بعض لوگوں پر نفس (کی خواہشات) کو کامل اقتدار حاصل ہوتا ہے اور ان کا قلب (یا ضمیر) ہمیشہ مغلوب رہتا ہے ۔ ایسا آدمی اپنی کسی نفسانی خواہش کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوتا ۔ چاہے اس کے لئے کتنا ہی ننگ اور عار اس کو لاحق ہو ــــ بعض افراد کی عقل ان کے قلب اور نفس پر غالب ہوتی ہے ۔ ایسا آدمی ہر وقت اور ہر حال میں شریعت (اور قانون) کا مطیع رہتا ہے ۔ اور اس کے احکام سے سرِ مو انحراف نہیں کرتا ــــ اسی طرح ہم یہ بھی مشاہدہ کرتے ہیں کہ انسانوں کے اندر ان تین استعدادات یا لطائف میں سے کسی وقت کسی ایک (لطیفہ) کا غلبہ ہوتا ہے اور کبھی کسی دوسرے کا ۔

عقل، قلب اور نفس کے بارے میں یہ (مندرجہ بالا) وہ امور ہیں جن کے اثبات (یعنی موجود ہونے) پر قریب قریب ہر مذہب وملّت میں اتفاق ہے ۔ بقول حضرت شاہ ولی اللہؒ ــــ "ہر مذہب وملّت کے حکماء اور عقلاء جنہوں نے تہذیبِ اخلاق اور تزکیۂ نفس کی بات کی ہے سب نے ان لطائفِ ثلاثہ کا اثبات کیا ہے ــــ یا کم از کم انہوں نے جن مقامات

اور احوال کی تشریح کی ہے وہ ان ہی لطائفِ ثلاثہ کے نتائج اور ثمرات ہیں" (حجۃ اللہ البالغہ)

صوفیہ کرام نے بھی ان لطائف ثلاثہ کا اثبات کیا ہے اور ان کی تہذیب پر اپنی توجہ مبذول کی ہے اور اس کے لئے بعض دفعہ انہوں نے اپنی اصطلاحات بھی استعمال کی ہیں۔ مثلاً جب کسی کے لطیفۂ عقل میں ایسی نورانیت پیدا ہو جائے جس کی بدولت وہ ان باتوں کی تصدیق پر مائل ہوتا ہے جن کی تصدیق کرنا ـــــ یعنی جن پر ایمان لانا انسان پر فرض ہے ـــــ یعنی جب عقل صفائی اور پاکیزگی کے اس منتہائے کمال تک پہنچ جائے تو وہ (صوفیہ) اس کو عقل کی بجائے "سِرّ" کہتے ہیں۔ اور جب قلب (دل) کی طہارت اور پاکیزگی منتہائے کمال کو پہنچ جائے تو وہ اسے قلب نہیں بلکہ "روح" کہتے ہیں ـــــ اسی طرح جب نفس میں حیوانی تقاضے غالب ہوتے ہیں تو وہ اسے ـــــ قرآنی اصطلاح کے مطابق ـــــ نفسِ امّارہ کہتے ہیں۔

اور جب انسان بہیمیت اور ملکیت کے خصال اختیار کرنے میں ڈانواں ڈول ہوتا ہے کہ کبھی نیکی کی طرف جھک جائے اور کبھی بدی کا پلڑا بھاری ہو جائے تو اسے وہ نفسِ لوّامہ کہتے ہیں ـــــ یہ بھی قرآنی اصطلاح ہے ـــــ برخلاف اس کے جب انسان کا نفس ہر طرح سے شرع کا پابند ہو اور وہ اللہ تعالےٰ اور اس کے رسولؐ کا کامل طور پر مطیع و منقاد ہو جائے اور کسی ایسی چیز کی طرف اس میں حرکت پیدا نہ ہو جو اللہ تعالےٰ کی مرضی کے خلاف ہو ـــــ تو اس حالت میں وہ نفسِ مطمئنّہ کہلانے کا مستحق ہے ـــــ اور یہ بھی قرآنی اصطلاح ہے۔ گویا اہلِ تصوّف کے ہاں مطلوب و مقصود "سِرّ" (یعنی کامل اور مہذّب عقل)، "روح" (یعنی کامل اور مہذّب قلب) اور "نفسِ مطمئنّہ" (یعنی کامل اور مہذّب نفس) ہیں۔

ان تین لطائف یا استعدادات کی تہذیب یا تطہیر و تزکیہ قرآن کریم کا ایک اہم موضوع ہے۔ قرآن کریم سب سے پہلے عقلِ انسانی کی تہذیب چاہتا ہے۔ یعنی ان لطائفِ ثلاثہ کی تہذیب و اصلاح کا کام ایمان باللہ سے شروع ہوتا ہے۔ جب عقلِ انسانی ایسے سچے عقائد کے تابع ہو جو سرچشمۂ نبوّت سے ماخوذ ہوں ـــــ یعنی جب آدمی اللہ تعالیٰ کے رسولؐ اور

اس کی کتاب کی تصدیق کرتا ہے تو آہستہ آہستہ یہ ایمان اس کے قلب میں اترتا ہے اور پھر اس کا قلب اور نفس بھی اس ایمان کے تابع ہو جاتے ہیں اور لطائفِ ثلاثہ میں سے ہر ایک پر اس کی استعداد کے مطابق عبودیت کا رنگ چڑھ جاتا ہے۔

لطائفِ ثلاثہ کی تہذیب و اصلاح کا عمل عقل سے شروع ہونے پر دلالت کرتی ہیں وہ تمام ـــــ تیس سے زائد ـــــ آیاتِ قرآنی جو عموماً " لَآیَاتٍ " یا " لَآیَۃً لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ " ـــــ یا " اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ " یا " لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ " کے الفاظ پر ختم ہوتی ہیں یا قرآن کی سولہ کے قریب وہ آیات جن میں یا تو " اُولُوا الْاَلْبَابِ " (عقلوں والوں) کو مخاطب کیا گیا ہے یا ان کی بعض صفات بیان ہوئی ہیں ـــــ اور اس قسم کی تمام آیات میں بالعموم دعوت الی الحق کے دلائل ہیں اور جن کا نتیجہ ایمان باللہ کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔

★ عقل کا عام اقتضاء اسباب کی تلاش کر کے نتیجہ تک پہنچنا ہے ـــــ مگر عام حالات میں انسان کی عقل بشری تقاضوں سے گھری رہتی ہے اور وہ صرف ان امور کی تصدیق پر مائل ہوتی ہے جو اس کی طبیعت کے موافق ہوں۔ لیکن جب عقل کی تہذیب کر لی جائے تو پھر وہ ان تمام امور پر جن کی بابت شارع نے خبر دی ہے اس طرح یقین کرتی ہے گویا آدمی ان کو عیاناً دیکھ رہا ہے۔ اس وقت اس پر " عَلٰی بَصِیْرَۃٍ " ہونے کا اطلاق ہوتا ہے ـ اور اسی چیز کو بعض صحابہؓ کی طرف منسوب اس قول میں بیان کیا گیا ہے کہ " اگر جنّت اور جہنّم یعنی بہشت اور دوزخ عیاں ہو کر ہمارے سامنے آجائیں تو ہمارے ایمان میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ ہم تو " بالغیب " ہی ان امور پر " حق الیقین " بلکہ " عین الیقین " کی طرح ایمان لا چکے ہیں ـــــ عقل کی اصلاح اور تہذیب و تطہیر ہو جائے تو قلب اور نفس کا مہذّب ہو جانا ناگزیر ہے۔

★★ اسی طرح قلب کا عام اقتضاء یہ ہے کہ آدمی کو اپنے محسن و مربّی کے ساتھ محبّت ہو۔ یا وہ نفع بخش چیزوں کا جویا اور خواہاں ہو اور جو چیز نقصان دیتی ہو اس سے خائف اور ہراساں رہے۔ جب قلب کی تہذیب کر لی جائے تو اللہ کی محبت اور ہیبت اور اس کے عذاب و ثواب سے خائف یا امیدوار رہنا اس میں رچ بس جاتا ہے۔

چونکہ قلب کا درجہ عقل اور نفس کے درمیان ہے اس لئے قرآن کریم میں انسان کی اکثر صفات کو اور اس کے اکثر افعال کو قلب کی جانب منسوب کیا جاتا ہے ۔ بعض دفعہ عقل کے افعال کو قلب کی طرف نسبت دی گئی ہے مثلاً " لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا " (الاعراف : ۱۷۹) اور " ...... فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا " (الحج : ۴۶) اور کہیں نفس اور قلب ہم معنی استعمال ہوئے ہیں ۔ مثلاً " وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ " (الاحزاب : ۵۱) اور " رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ " (الاسراء : ۲۵) گویا ایک طرح سے قلب کے بیان میں عقل اور نفس کا بیان بھی شامل ہو جاتا ہے ۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ قلب کے احوال و عوارض اور اس کی اصلاح و تہذیب اور اس کے تزکیہ و تطہیر پر قرآن کریم نے بہت زور دیا ہے ۔

ایمان بھی کامل تب ہوتا ہے جب اقرار باللسان اور تصدیق عقلی سے بڑھ کر یقین قلبی کی شکل اختیار کرتا ہے ۔ اسی کیفیت کو قرآن کریم نے ایمان کے دل میں داخل ہونے سے تعبیر کیا ہے ۔ (الحجرات : ۱۴ میں)

قرآن حکیم کی مختلف آیات میں قلب (دل) کے روحانی عوارض کا ذکر آیا ہے ۔ مثلاً دل کا اندھا ہونا ــــ تَعْمَى الْقُلُوبُ (الحج : ۴۶) ــــ دل میں حق سے نفرت ہونا یا اشمئزاز قلب (الزمر : ۴۵ میں) دل کی کجی یا زیغ قلب (آل عمران ، اور کئی دیگر مقامات پر) ــ دل کا غفلت میں مبتلا ہونا (الکھف : ۲۸) دل کا سخت ہونا یا قساوۃ قلب (مثلاً الزمر : ۲۲ ، الحدید : ۱۶ اور دیگر مقامات پر) دل کی نادرستی یا روگ یعنی مرض قلب (جس کا ذکر البقرہ : ۱۰ کے علاوہ بارہ دیگر مقامات پر ہوا ہے) ، دل پر مہر لگ جانا یعنی ختم یا طبع علی القلب (مثلاً الجاثیہ : ۲۲ ، البقرہ : ۷ ، التوبۃ : ۹۳ اور دیگر مقامات پر) دل پر میل یا زنگ آنا یعنی رین قلب (المطففین : ۱۴) ، دل پر قفل پڑنا (محمد : ۲۴) ، دل میں غیر اسلامی غیرتوں کا جگہ پکڑنا یعنی " حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ " (الفتح : ۲۶) وغیرہ وغیرہ ۔

ان بد عوارض سے آگاہ ہونا اور ان کو دور کر کے لطیفۂ قلب کی سلامتی اور اصلاح کی کوشش کرنا اسلام کے روحانی نظام کا ایک اہم پہلو ہے۔

ان عوارض سیّئہ کے مقابلے پر اسلام کا مطلوب و مقصود "قلبِ سلیم" ہے (الشعراء: ۸۹) یعنی ان سب عوارض سے پاک اور صحیح و تندرست قلب۔ ایسے ہی دل کو قرآن حکیم میں (اللہ کی طرف) جھکنے والا دل یعنی "قَلبِ مُنِیب" (ق : ۳۳ اور دیگر جگہوں پر) کہا گیا ہے۔ تقویٰ کو (جو ہدایتِ قرآنی کا مطلوب و مقصود ہے) دل کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے یعنی "تَقوَی القُلُوب" (الحج : ۳۲ اور الحجرات : ۳ میں) قلب (دل) کی اصلاح اور تطہیر کے عوامل یا نتائج کے بارے میں قرآن مجید نے حسبِ ذیل امور کا خصوصاً ذکر کیا ہے دل میں ہیبتِ الٰہی کا پیدا ہونا "وَجِلَت قُلُوبُهُم" (الانفال : ۲) اور "قُلُوبُهُم وَجِلَةٌ" (المؤمنون : ۶۰)۔ دل میں عاجزی اور نرمی پیدا ہونا جسے اِخبات، خشوع اور لِینہ سے تعبیر کیا گیا ہے مثلاً (ھود : ۲۳ اور الحج : ۳۴ و ۵۴ پر) اور (الاحزاب: ۳۵ اور الاسراء : ۱۰۹ پر) اور (الزمر : ۲۳ پر) ـــــ اسی طرح دل کا درست راستے پر پڑنا یا ہدایت پانا (التغابن : ۱۱ میں) اور دل کا اطمینان و سکون کی دولت سے مالا مال ہونا (الرعد: ۲۸)۔ وغیرہ وغیرہ۔

مجموعی طور پر قرآن کریم کی سَو سے زائد آیات کا موضوع قلبِ انسان ہے۔ اس لئے اسلام کے روحانی نظام میں سب سے زیادہ زور اسی "قلب" کی اصلاح پر دیا گیا ہے۔ حدیث شریف میں بھی اسی "مضغۂ قلب" کی صلاح اور فساد کے ساتھ پورے روحانی فساد و اصلاح کو وابستہ کیا گیا ہے۔

خیال رہے کہ قلب یا دل انسانی جسم کے اندر صنوبری شکل کا ایک (مشہور) عضو ہے۔ جو بدن میں جریان و دوران خون کا ذمہ دار ہے۔ قرآن کریم میں علم افعال الاعضاء کی رو سے اس قلب کے "وظائف" کا بیان نہیں ہوا۔ بلکہ منبع خیر و شر ہونے کی حیثیت سے اس کی کیفیات کا ذکر ہے۔ جس طرح انسان کی جسمانی موت و حیات کا انحصار قلب (دل) پر ہے۔ اسی طرح قرآن مجید نے انسان کی روحانی موت و حیات کا مرکز اسی قلب کو ٹھہرایا ہے

حدیث شریف میں اسے مضغہ (لوتھڑا) اور قرآن مجید میں "اَلْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ" (دل جو سینوں کے اندر ہیں) کہہ کر بظاہر اسی قلب نامی جسمانی عضو کا ذکر کیا گیا ہے تاہم بات اس کے جسمانی اور عضوی نہیں بلکہ روحانی افعال و احوال کی ہوئی ہے جو اس وقت زیرِ مطالعہ موضوعِ بحث ہیں۔

★★★ تیسرے لطیفہ یعنی نفس کا طبعی اقتضاء تو اس کا اَمّارہ ہونا ہے۔ وہ شہواتِ انسانی کے پورا کرنے میں منہمک رہتا ہے اور آرام طلبی کا بھی خواہاں ہوتا ہے لیکن جب اس کی تہذیب کرلی جاتی ہے تو وہ تائب ہوکر زہد اختیار کرلیتا ہے اور آرام طلبی کی بجائے جدّ وجہد اس کی صفت بن جاتی ہے۔ نفس کے تزکیہ میں ہوائے نفس (خواہشات) کی مخالفت کو بڑا دخل ہے قرآن کریم میں فلاح کو تزکیۂ نفس سے وابستہ کیا گیا ہے "قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا" (الشمس : ۹)۔ اور مخالفتِ نفس کو باعثِ دخولِ جنّت کہا گیا ہے (النازعات : ۴۰، ۴۱) مولانا اشرف علی تھانوی نے کسی جگہ لکھا ہے کہ :

"وہ ذراسی بات جو حاصل ہے تصوّف کا۔ یہ ہے کہ جس اطاعت میں سُستی ہو سُستی کا مقابلہ کرکے اس اطاعت کو بجالائے اور جس گناہ کا تقاضا ہو اس تقاضے کا مقابلہ کرکے اس گناہ سے بچے۔ جس کو یہ بات حاصل ہوگئی اس کو پھر کچھ بھی ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہی بات تعلق مع اللہ پیدا کرنے والی ہے اور یہی اس کی محافظ ہے اور یہی اس کو بڑھانے والی ہے"

ہم نے ابھی اوپر بیان کیا کہ ان لطائفِ ثلاثہ (عقل، قلب اور نفس) کی تہذیب کے پروگرام کی ابتداء "ایمان باللہ" یا عقل کی تہذیب سے ہوتی ہے۔ لیکن اس "ایمان باللہ" کو "اتّصال باللہ" اور "تعلق مع اللہ" میں کیسے بدلا جائے اور قلب و نفس پر ایمان کا یہ رنگ کیسے چڑھایا جائے؟ اور کس طرح ان لطائفِ ثلاثہ میں ایک ہم آہنگی (HORMONY) پیدا کی جائے؟ ـــ ان چیزوں کے بارے میں اہلِ تصوّف نے تو بہت کچھ لکھا ہے ـــ تاہم ایک تو وہ اپنی مخصوص زبان اور اصطلاحات میں بات کرتے ہیں اور آج کل تو وہ بھی نہیں رہا اور تصوّف بعض مخصوص مفادات (VESTED INTERESTS) کے چند مخصوص نعروں یا ادّعاءات (دعووں) تک محدود ہوکر رہ گیا ہے۔ اِلّا ماشاء اللہ ـــ دوسرے

یہ کہ صوفیہ نے بھی روحانی تزکیہ کے لئے جو قواعد و اصول بیان کئے ہیں ان کی اصل قرآن کریم اور اس کا بیان سنّت رسولؐ میں موجود ہے [اور جس نام نہاد تصوّف کی بنیاد اور اساس قرآن و سنّت نہیں وہ تصوّف نہیں گمراہی ہے] ـــ اس لئے ہم بھی ان موضوعات کے بارے میں جب قرآن حکیم کی طرف رجوع کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید کی بیسیوں آیات اسی روحانی نظام کے کسی نہ کسی پہلو (ASPECT) سے تعلق رکھتی ہیں ۔

ایمان باللہ (جس میں توحید، رسالت، آخرت سب شامل ہیں) تقویم باطن کی طرف پہلا قدم ہے ۔ اس کے بعد عمل صالح کا میدان شروع ہوتا ہے جس کی پہلی منزل عبادت ہے ۔ جس کے ذریعے عبودیت کا نور لطائفِ ثلاثہ میں سرایت کر کے اپنا اثر دکھاتا ہے ـــ عبادات کے ساتھ ساتھ اسلام تہذیبِ اخلاق پر زور دیتا ہے ـــ اور فضائل و رذائلِ اخلاق کا بیان کتاب و سنّت کا ایک اہم موضوع ہے جس پر مستقل تالیفات موجود ہیں ـــ یہاں تک اپنے ظاہر کو اسلامی تعلیمات کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کا کام مکمل ہوتا ہے ۔

لیکن اللہ کے ساتھ اپنے اس تعلق کو ترقی دینا اور اپنی روحانی اور باطنی کیفیات پر عبودیت کا گہرا رنگ چڑھانے کے لئے قرآن کریم نے جن امور پر زور دیا ہے اور جسے صوفیہ اور مفسّرین نے اپنے اپنے رنگ میں بیان کیا ہے وہ حسب ذیل امور ہیں :-

۱۔ ذکر اللہ ۲۔ حبّ اللہ ۳۔ خشیۃ اللہ ۴۔ استغفار ۵۔ التوبۃ الی اللہ ۶۔ شکر ۷۔ صبر ۸۔ توکّل ۹۔ اخلاصِ نیت ۱۰۔ دعاء اور ۱۱۔ ان سب پر حاوی اور ان میں جاری و ساری ـــ اتّباعِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم ـــ

اسلام کے روحانی نظام کی قرآنی بنیاد ان ہی موضوعات پر استوار ہوئی ہے ۔ ان میں سے ایک ایک موضوع پر قرآن و سنّت کی روشنی میں لکھا جا سکتا ہے اور لکھا گیا بھی ہے ۔ لہٰذا ہم یہاں ان موضوعات یا عنوانات کی طرف اشارہ کر دینے پر اکتفا کرتے ہیں اور آخر پر صرف اس طرف توجّہ دلا کر یعنی عقل، قلب اور نفس شریک ہوتے ہیں اور نماز کے ذریعے علی قدرِ استعداد ہر ایک کی تطہیر و تہذیب ہو رہی ہوتی ہے ۔ اسی لئے نماز کو " معراج المؤمنین " کہا گیا ہے ۔ ساری روحانیت کی ابتداء بھی یہی ہے اور انتہا بھی یہی ہے ـــ اور مندرجہ بالا جملہ گیارہ امور بھی اجمالاً سب کے سب نماز میں شامل ہیں ۔

★★

علامہ سید سلیمان ندویؒ
شخصیت و علمی خدمات

عبدالرشید عراقی

۱۸۷۱ء تا ۱۸۸۵ء کے دوران برصغیر میں جو نامور علماء ' سیاسی رہنما ' ادیب اور شاعر پیدا ہوئے۔ اس سے آسمانِ علم و ادب مہ و انجم سے جگمگا اٹھا۔ مولانا حسرت موہانی ' مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی ' مولانا شبیر احمد عثمانی ' مولانا ابوالکلام آزاد ' مولانا عبدالماجد دریا آبادی ' قائداعظم محمد علی جناحؒ اور علامہ اقبالؒ سب اسی دور میں پیدا ہوئے تھے۔ علامہ سید سلیمان ندوی کو اس علمی کہکشاں میں کوکب تاباں کی حیثیت حاصل ہے۔ جامعیت ' علمی تبحر ' وسعت مطالعہ ' تحقیقی ذوق اور علوم اسلامیہ میں ہمہ گیری میں ان کی نظیر معاصرین میں کمیاب ہے۔ اُن کے علمی کمالات کا ایک مختصر مضمون میں کیا ' ضخیم کتابوں میں احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔

علامہ سید سلیمان ندوی عالم دین بھی تھے ' مؤرخ بھی تھے ' محقق بھی تھے ' صاحب طرز انشاپرداز بھی تھے ' جغرافیہ دان بھی تھے ' لسانیات کے رمز آشنا بھی تھے ' عمرانیات کے دقیقہ رس بھی تھے ' نقاد بھی تھے ' صحافی بھی تھے اور سب سے بڑھ کر اعلیٰ پایہ کے سیرت نگار بھی تھے۔

علوم قرانیہ ' تفسیر ' حدیث ' سیرت ' فن رجال ' تاریخ اسلام ' تاریخ افکار اسلامی ' منطق و فلسفہ ' علم الکلام ' علم لغت ' غرض ماضی کے شاندار تہذیبی ورثے کا کوئی ایسا اہم پہلو نہ رہا ہو گا ' جس میں علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم نے اپنی بصیرت و فراست اور ژرف نگاہی کا ثبوت نہ دیا ہو۔

علامہ سید سلیمان ندوی جامع الصفات شخصیت تھے۔ آپ نے صرف مذہبی اور تاریخی موضوعات پر قلم نہیں اٹھایا ' بلکہ ادب اور تحقیق کے میدان میں بھی اپنا نام روشن کیا۔ ایک

طرف اگر آپ نے سیرت النبیؐ ' سیرت عائشہؓ اور حیات امام مالکؒ لکھ کر علمائے کرام کی صف میں ایک بلند مقام حاصل کیا تو دوسری طرف "خیام" لکھی۔ جو تحقیق و تنقید کا وقیع کارنامہ ہے اور اس تصنیف سے آپ نے ادب اردو میں ایک منفرد مقام حاصل کیا۔ تاریخ کے میدان میں تاریخ ارض القرآن ' عرب و ہند کے تعلقات اور عربوں کی جہاز رانی ان کی بے مثال کتابیں ہیں۔

علامہ سید سلیمان ندوی کا تعلق صوبہ بہار سے تھا۔ بر صغیر میں صوبہ بہار کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ سیاسی ' علمی ' ادبی ' تعلیمی اور تہذیبی اعتبار سے اس صوبہ کا شمار بر صغیر کے دوسرے صوبوں کے مقابلہ میں خاص فوقیت رکھتا ہے۔ متعدد علمائے کرام ' شعرائے عظام ' سیاسی رہنما ' ادیب اور اعلیٰ سرکاری افسر اس صوبہ میں پیدا ہوئے اور ان حضرات نے بر صغیر میں ایسی علمی ' ادبی اور سیاسی خدمات سرانجام دیں ' جن کا تذکرہ ہمیشہ تاریخ میں محفوظ رہے گا

بر صغیر کے ممتاز علمائے حدیث کا تعلق صوبہ بہار سے تھا اور ان کی علمی خدمات تاریخ اسلام کا ایک زریں باب ہے۔

ان میں مولانا شاہ نور علی محدث (م ۱۲۷۲ھ) تلمیذ حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق فاروقی دہلوی (م ۱۲۵۲ھ) مولانا فرحت حسین (م ۱۲۷۴ھ) مولانا عنایت علی عظیم آبادی (م ۱۲۷۳ھ) مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی (م ۱۳۲۰ھ) مولانا شمس الحق ڈیانوی عظیم آبادی (م ۱۳۲۹ھ) مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی (م ۱۲۳۶ھ) اور مولانا سید سلیمان ندوی (م ۱۳۷۳ھ) سر فہرست ہیں۔

پیدائش

علامہ سید سلیمان ندوی ۲۲ نومبر ۱۸۸۴ء مطابق ۲۳ صفر ۱۳۰۲ھ بروز جمعۃ المبارک دیسنہ ضلع پٹنہ میں پیدا ہوئے۔[1]

ابتدائی تعلیم

سید سلیمان ندوی نے ابتدائی تعلیم اپنے برادر بزرگ مولانا سید ابو حبیب (م ۱۳۴۶ھ) تلمیذ حضرت مولانا حافظ عبداللہ محدث غازی پوری (م ۱۳۳۷ء) سے حاصل کی۔ مولانا سید ابو حبیب سے آپ نے فارسی عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ ۱۸۹۹ء

میں پھلواری شریف ضلع پٹنہ چلے گئے اور وہاں آپ نے مولانا شاہ علی حبیب نصر (م۱۳۱۵ھ) سے بہت سی درسی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد مدرسہ امدادیہ دربھنگہ تشریف لے گئے۔ یہاں آپ نے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور مدرسہ امدادیہ دربھنگہ کے زمانہ قیام میں طلبہ کی انجمن میں "تعلیم نسواں" پر ایک ایسا مضمون پڑھا کہ طلبہ کے علاوہ اساتذہ کرام نے بھی داد تحسین دی۔[۲]

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں

سید صاحب ۱۹۰۱ء مطابق ۱۳۱۹ھ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخل ہوئے اور یہاں ۵ سال رہ کر ۱۹۱۶ء/ ۱۳۲۴ھ میں سندِ فراغ حاصل کی۔ ندوۃ میں آپ نے مولانا شبلی نعمانی (م۱۳۳۲ھ) مولانا محمد فاروق چریاکوٹی (م۱۳۲۷ھ) مولانا مفتی عبداللطیف سنبھلی مراد آبادی (م۱۳۳۷ھ) اور مولانا حفیظ اللہ اعظم گڑھی (م۱۳۶۳ھ) سے تعلیم حاصل کی۔[۳]

ندوہ میں آپ نے تقریر و تحریر پر توجہ کی۔ آپ نے پہلا مضمون ۱۹۰۳ء میں علم اور اسلام کے عنوان سے لکھا۔ جو علی گڑھ منتھلی میں شائع ہوا۔ ۱۹۰۴ء میں دارالعلوم ندوہ سے الندوہ کے نام سے ماہوار علمی و ادبی رسالہ جاری ہوا۔ جس کے عملہ ادارت میں مولانا شبلی نعمانی (م۱۳۳۲ھ) اور مولانا حبیب الرحمان خان شیروانی (م۱۳۶۹ھ) شامل تھے۔ سید صاحب نے اس میں پہلا مضمون مسلم حدیث کے عنوان سے لکھا۔[۴]

ندوہ کے زمانہ قیام میں سید صاحب کو مطالعہ کا شوق پیدا ہوا۔ اور آپ نے ہر فن کی بہترین اور اعلیٰ پایہ کی کتابوں کا مطالعہ کیا۔ سید صاحب نے تفصیل سے اپنی ان محبوب کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ جن کا انہوں نے بار بار اور گہرا مطالعہ کیا تھا اور جو ان کی فکری نشو و نما پر اثر انداز ہوئیں۔ ان کتابوں میں حضرت شاہ عبدالعزیز کی بستان المحدثین اور عجالہ نافعہ' امام مالک کی موطا' حافظ ذہبی کی تذکرۃ الحفاظ' ابن حجر کی فتح الباری' ابن ندیم کی کتاب الفہرست' حاجی خلیفہ کی کشف الظنون' ابن خلکان کی وفیات الاعیان شہرستانی کی الملل و النحل' ابن رشد کی کتاب الادلہ اور شاہ ولی اللہ کی حجۃ اللہ البالغہ کے نام خصوصیت کے ساتھ لائق ذکر ہیں۔[۵]

تعلیم سے فراغت

۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء میں ندوہ سے سند فراغت حاصل کر لی۔ اور جلسہ دستار بندی میں سید صاحب نے "علوم جدیدہ وقدیمہ کا موازنہ" پر تقریر کی۔ تو آپ کی تقریر کو حاضرین نے بہت پسند کیا۔ سید صاحب کو عربی زبان پر کافی عبور تھا۔ اسی جلسہ میں آپ نے عربی میں "ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کیونکر ہو" کے موضوع پر عربی میں تقریر کی۔ ہر طرف سے احسنت و آفرین کی صدائیں بلند ہوئیں۔ مولانا شبلی مرحوم نے جوش مسرت سے اپنے سر سے عمامہ اتار کر سید صاحب کے سر باندھ دیا[۶]۔

اسی سال مولانا شبلی نے الندوہ کی سب ایڈیٹری ان کے سپرد کر دی اور سید صاحب نے اس رسالہ میں متعدد علمی و تحقیقی موضوعات پر مضامین لکھ کر اپنی بالغ نظری اور تقریری سلیقہ کا ثبوت دیا۔ الندوہ میں آپ کے بہت سے مضامین شائع کئے۔ مثلاً

۱۹۰۷ء۔ عربی زبان کی وسعت، بحر العلوم

۱۹۰۸ء۔ مسئلہ ارتقاء اور قرآن مجید، ایمان بالغیب، ابن خلکان۔

۱۹۰۹ء۔ مکرراتِ قرآن، اسلامی رصد خانے، تحریم شراب۔

۱۹۱۰ء۔ کتب خانہ اسکندریہ۔

۱۹۱۱ء۔ اشتراکیت اور اسلام، الاحتساب فی الاسلام، اسماء القرآن۔

۱۹۱۲ء۔ عذاب۔

ایمان بالغیب اور مکرراتِ قرآن پر مولانا شبلی نعمانی مرحوم نے اپنے ایک خط میں سید صاحب کو داد دی[۷]۔

سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سٹاف میں

مولانا شبلی نعمانی (م ۱۳۳۲ھ) کو سیرت النبی کی تالیف کا خیال بہت عرصہ سے تھا اور آپ نے اس کا آغاز ۱۹۰۳ء / ۱۳۲۱ھ میں کر دیا تھا جیسا کہ انہوں نے اس کا اظہار ان اشعار میں کیا ہے ۔

عجم کی مدح کی عباسیوں کی داستاں لکھی
مجھے چندے مقیم آستان غیر ہونا تھا

مگر اب لکھ رہا ہوں سیرت پیغمبر خاتمؐ
خدا کا شکر ہے یوں خاتمہ بالخیر ہونا تھا

۱۹۱۰ء میں مولانا شبلی نے سیرت النبی کی ترتیب وتدوین کا ایک شعبہ قائم کیا تو سید صاحب اس کے لٹریری اسسٹنٹ مقرر ہوئے اور اس کام میں انہوں نے مولانا شبلی کی پوری مدد کی اور اس کے ساتھ ہی ۱۹۱۲ء تک الندوہ کی نائب ادارت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔[۵۴]

"الہلال" کلکتہ کے عملہ ادارت میں

۱۳ جولائی ۱۹۰۶ء کو مولانا ابوالکلام آزاد (م۱۳۷۸ھ) نے کلکتہ سے ہفتہ وار "الہلال" جاری کیا۔ اس رسالے میں مذہب' سیاست' معاشیات' جغرافیہ' تاریخ' عمرانیات' سوانح' ادب اور حالات حاضرہ پر اعلیٰ معیار کے مضامین اور مقالے چھپتے تھے۔ اور کتابوں' رسالوں اور اخبارات پر تبصرے بھی شائع ہوتے تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد بھی الندوہ ہی کے سب ایڈیٹر رہے تھے۔ اس لئے سید صاحب سے ان کا تعلق خاص تھا۔

۱۹۱۱ء میں جب اٹلی نے طرابلس پر حملہ کیا۔ تو اس سے ہندوستان کے مسلمانوں میں ایک شور برپا ہو گیا اور ان کی سیاست میں ابال آ گیا۔ سید صاحب بھی اس سے متاثر ہوئے اور خالص علمی مشاغل چھوڑ کر سیاست کے میدان میں آئے۔ الہلال اس سے پہلے بند ہو چکا تھا۔ جولائی ۱۹۱۲ء میں دوبارہ شائع ہونا شروع ہوا۔ اور اس دور میں الہلال نے ملکی اور اسلامی سیاست میں ایک اہم کردار ادا کیا۔ چنانچہ سید سلیمان مئی ۱۹۱۳ء میں الہلال کی مجلس ادارت میں شامل ہو گئے۔ اس کے چند ماہ بعد اگست ۱۹۱۳ء میں مسجد کان پور کے بعض حصوں کے جبری انہدام کا حادثہ فاجعہ پیش آیا۔ جس میں نہتے مسلمانوں اور معصوم بچوں پر بے دردی سے گولیاں چلائی گئیں۔ اس خونی حادثہ سے متاثر ہو کر سید صاحب نے ۱۲ اگست ۱۹۱۳ء کے الہلال میں اپنے خون دل سے مشہد اکبر کے عنوان سے ایک دردانگیز مضمون لکھا۔ حکومت نے اس کی تاب نہ لا کر اس شمارہ کو ضبط کر لیا۔[۵۵]

الہلال میں سید صاحب نے بیشتر علمی وتحقیقی مضمون لکھے۔ علوم القرآن کے عنوان سے ایک مضمون لکھا جو مارچ ۱۹۱۴ء کے الہلال میں شائع ہوا۔ الہلال میں مضمون نگاروں

کے نام نہیں شائع ہوتے تھے اس لئے ہر مضمون کو مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی طرف منسوب کرایا جاتا تھا۔ حالانکہ تمام مضامین مولانا ابوالکلام آزاد کے نہیں ہوتے تھے۔ سید صاحب لکھتے ہیں۔

> الہلال میں مضمون نگاروں کے نام نہیں لکھے جاتے تھے۔ اس لئے الہلال کے مضامین کے مجموعے شائع کرنے والوں نے بلاتحقیق ہر مضمون کو مولانا ابوالکلام کی طرف منسوب کر دیا۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں۔ الحریۃ فی الاسلام' تذکرہ نزول قرآن' حبشہ کی تاریخ کا ایک ورق' قصص بنی اسرائیل اور مشہد اکبر وغیرہ میرے مضامین ہیں۔[۵۶]

دکن کالج پونہ میں اسسٹنٹ پروفیسر

مولانا سید سلیمان ندوی نے جب سے الہلال کے عملہ ادارت میں شمولیت اختیار کر لی تھی۔ مولانا شبلی نعمانی کو اس سے اتفاق نہیں تھا۔ ان کی خواہش تھی' کہ سید صاحب کا تقرر کسی موزوں جگہ ہو۔ چنانچہ مولانا شبلی نے سید صاحب کو بتائے بغیر پروفیسر شیخ عبدالقادر (م ۱۳۱۹ھ) کے ذریعہ کوشش کر کے دکن کالج پونہ السنہ الشرقیہ کے اسسٹنٹ پروفیسر کے عہدہ پر تقرر کرا دیا۔ چنانچہ سید صاحب ۱۹۱۴ء میں الہلال کے عملہ ادارت سے مستعفی ہو کر پونہ چلے گئے۔ ★

★ سید صاحب اس تقرری کے بارے میں لکھتے ہیں۔

انگریزی عہد میں کسی طلب اور درخواست کے بغیر کسی سرکاری نوکری پانے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ مگر میرے ساتھ یہ بھی ہوا کہ میں ان دنوں لکھنؤ میں مقیم تھا۔ کہ مجھے بمبئی گورنمنٹ کے محکمہ تعلیم کا سرکاری لفافہ موصول ہوا کہ تم کو دکن کالج پونہ میں السنہ الشرقیہ کا اسسٹنٹ پروفیسر مقرر کیا گیا ہے۔ میں سمجھا کہ میرے پتے پر غلط مراسلہ آ گیا ہے۔ کیونکہ میں نے اس کی درخواست نہیں دی تھی۔ میں اسی حیص بیص میں تھا کہ شام کی حاضری میں مولانا شبلی سے اس واقعہ کو بیان کیا۔ فرمایا کہ مراسلہ آ گیا۔ اچھا ہوا۔ پروفیسر عبدالقادر کو شکریہ کا خط لکھو' اور پونہ روانہ ہو جاؤ۔ میں نے کچھ معذرت کرنی چاہی۔ مگر ان کی خوشی اسی میں پائی۔ اور شیخ صاحب کے پاس پونہ روانہ ہو گیا اور ڈھائی تین سال ان کے ساتھ رہا۔

(یاد رفتگان ص ۴۴۳ طبع کراچی ۱۹۸۳ء)

سیرۃ عائشہؓ اور ارض القرآن کی تالیف کا آغاز

۱۹۱۳ء میں سید سلیمان نے پونہ میں سیرۃ عائشہ کی تالیف کا آغاز کیا۔ اس کتاب کی تالیف کی تحریک نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ بھوپال (م۱۳۴۹ھ) نے کی تھی۔ علامہ شبلی نعمانی مرحوم نے بھی اس کتاب کی تالیف میں سید صاحب کی حوصلہ افزائی کی اور اپنے خطوں کے ذریعہ مفید مشوروں کا سلسلہ جاری رکھا[۱۱] سیرۃ عائشہؓ علامہ شبلی کی زندگی میں مکمل نہ ہوسکی اور اس کی تکمیل ۱۹۲۰ء میں ہوئی۔

ارض القرآن کی تالیف کا آغاز بھی آپ نے پونہ میں کیا تھا۔

سید صاحب لکھتے ہیں!

میرے قیام پونہ کی بڑی یادگار ارض القرآن کی تصنیف ہے اگرچہ اس کا آغاز کلکتہ میں کیا جاچکا تھا۔ مگر اس کی تکمیل اسی زمانہ میں ہوئی اور یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ اگر شیخ صاحب کی رفاقت نہ ہوتی تو اس کتاب کو کبھی اس طرح نہ لکھ سکتا پونہ میں ہونے کی وجہ سے جہاں اسرائیلیوں 'یہودیوں کی اکثریت ہے۔ مجھے عبرانی سے آشنا ہونے کی فرصت ہاتھ آئی اور شیخ صاحب کے ذریعہ سے بمبئی کے کتب خانوں سے کتابوں اور پرانے علمی رسالوں کے ملنے کے مواقع ہاتھ آئے اور عجب نہیں کہ اسی کام کیلئے مشیت الٰہی نے پونہ کے قیام کو میرے لئے مقدر کیا تھا[۱۲]۔

دار المصنفین کا قیام...... مولانا شبلی نے اپنی وفات سے پہلے دار المصنفین کا خاکہ تیار کر لیا تھا مگر اس کو عملی جامہ نہ پہنا سکے۔ ۱۹۱۴ء میں مولانا شبلی نے انتقال کیا اور ۱۹۱۵ء میں سید صاحب نے اعظم گڑھ میں مولانا مسعود علی ندوی (م۱۳۸۵ھ) کے انتظامی تعاون اور مولانا عبدالسلام ندوی (م۱۳۷۶ھ) کے علمی اشتراک سے دار المصنفین کی بنیاد ڈالی[۱۳] اور اس کے ساتھ ہی دکن کالج پونہ سے استعفیٰ دے کر اعظم گڑھ میں مستقل طور پر سکونت اختیار کر لی۔

ارض القرآن جلد اول کی اشاعت

اپریل ۱۹۱۵ میں اپنی مشہور تصنیف ارض القرآن کی جلد اوّل کی اشاعت

سے دار المصنّفین کے تصنیفی کام کا آغاز کیا۔ اہلِ علم نے اس کتاب کے آئینہ میں دار المصنّفین کے درخشاں مستقبل کا نقشہ دیکھا۔ اس وقت معارف پریس قائم نہیں ہوا تھا۔ اس لئے یہ کتاب مطبع شاہی لکھنؤ سے شائع ہوئی۔ اپریل ۱۹۱۶ء میں دوسری کتاب مکاتیبِ شبلی کی جلد اوّل شائع کی۔ یہ کتاب بھی مطبع شاہی لکھنؤ میں چھپی۔

معارف پریس کا قیام اور رسالہ معارف کا اجراء...... جون ۱۹۱۶ء میں معارف پریس قائم ہوا اور اس میں پہلی کتاب مکاتیب شبلی کی دوسری جلد طبع ہوئی۔ جولائی ۱۹۱۶ء مطابق رمضان المبارک ۱۳۲۴ھ آپ نے دار المصنفین کا ماہوار رسالہ معارف جاری کیا[۱۴]۔ معارف میں بیش قیمت علمی، مذہبی، دینی، تاریخی، ادبی، تنقیدی مضامین شائع ہوتے تھے۔

سید سلیمان نے معارف کے پہلے شمارہ میں لکھا۔

رسالہ کا پہلا نمبر ہم رمضان المبارک کے مقدس مہینہ میں شروع کرتے ہیں کہ ہمارے علوم و معارف کی سب سے پہلی کتاب اسی ماہ مقدس میں نازل ہوئی۔ "شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ" الندوہ سے رخصت ہو کر آج ہم پھر پبلک مین آئے ہیں اور معارف کے نام سے ایک دوسرا تحفہ ان کی خدمت میں پیش کرتے ہیں ع

آیا بود کہ گوشہ چشمے بما کنند[۱۵]

معارف کے اجراء کے بعد عرصہ دراز تک اس کی ادارت کے جملہ فرائض سید صاحب بالکل تنہا انجام دیتے رہے۔ وہی بلا شرکت غیرے اس کے مدیر مسؤل تھے۔ صرف ۱۹۲۰ء میں جب وہ یورپ کے سفر پر گئے تو ۸ ماہ کیلئے مولانا عبدالماجد دریا آبادی (م ۱۳۹۸ھ) نے اس رسالہ کی ادارت کی ذمہ داری سنبھالی تھی۔ جولائی ۱۹۴۶ء میں سید صاحب ریاست بھوپال کے امیر جامعہ اور قاضی القضاۃ مقرر ہوئے۔ اس وقت بھی رسالہ کی فی الجملہ نگرانی کا کام ان ہی کے سپرد تھا۔ لیکن ان کی عدم موجودگی میں عملی طور پر مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی (م ۱۹۷۴ء) نے رسالہ کی ادارت کی۔ (درمیان میں صرف ایک سال یعنی ۱۹۴۷ء میں مولانا ریاست علی ندویؒ اس کے مدیر رہے) انہوں نے شذرات اور تبصرے بھی لکھے۔ جو پہلے سید صاحب خود لکھتے تھے۔ ۱۹۴۹ء میں شریک مرتب کی حیثیت سے

رسالہ کے سرورق پر شاہ معین الدین احمد ندوی کا نام باقاعدہ طور پر آنے لگا حالانکہ اب بلاشرکت غیرے تمام تران ہی کی ترتیب ہوتی تھی۔

جون ۱۹۵۰ء سید صاحب پاکستان تشریف لے آئے۔ تو بعض قانونی پیچیدگیوں کے باعث رسالہ کے سرورق سے اس کے بانی و محسن کا نام ختم کرنا پڑا اور جولائی ۱۹۵۱ء سے معارف کی ادارت ایک مستقل مجلس کے سپرد کر دی گئی۔ جس کے ارکان میں منتخب اہل علم اور اکابر اہل قلم شامل تھے۔ اس مجلس کے چیف ایڈیٹر مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مقرر ہوئے۔ جو سید صاحب کے تربیت یافتہ اور ان ہی کے فیضان کمال کا عکس جمیل تھے۔
معارف کی مجلس ادارت میں مختلف وقتوں میں مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ، مولانا مناظر احسن گیلانیؒ، ڈاکٹر عبدالستار صدیقیؒ، مولانا عبدالسلام ندویؒ، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا شاہ معین الدین احمد ندویؒ، مولانا محمد اویس نگرامی، مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی، ڈاکٹر نذیر احمد اور مولانا سید صباح الدین عبدالرحمٰن کے نام ملتے ہیں۔

۱۹۷۴ء میں مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی نے انتقال کیا۔ تو معارف کے ایڈیٹر مولانا صباح الدین عبدالرحمٰن مقرر ہوئے اور مجلس ادارت میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، پروفیسر ڈاکٹر نذیر احمد اور مولانا ضیاء الدین اصلاحی کے نام شامل ہوئے[١٧]

۱۸ نومبر ۱۹۸۷ء کو مولانا صباح الدین عبدالرحمٰن کا انتقال ہو گیا اور اب اس کے ایڈیٹر مولانا ضیاء الدین اصلاحی مقرر ہوئے ہیں[١٨]

معارف کو خوب سے خوب تر بنانے اور عصری صحافت میں اس کو صف اول میں جگہ دلانے کے لئے سید صاحب نے اپنی علمی و صحافتی صلاحیتوں کو صرف کر دیا تھا اور اس کو اپنی نوعیت کا مثالی رسالہ بنانے کے لئے سید سلیمان نے ان تمام تجربات سے فائدہ اٹھایا جو الندوہ اور الہلال کی سب ایڈیٹری کے زمانے میں انہوں نے حاصل کئے تھے۔

معارف کا ایک اہم اور امتیازی کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اپنے عہد کے علمی و تصنیفی جمود کو توڑا اور خالص علمی و تحقیقی موضوعات پر بیش قیمت مواد پیش کیا۔ مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی (م ۱۹۷۴ء) لکھتے ہیں۔
معارف نے سینکڑوں علمی موضوعات اور مسائل پر اور اسلامیات کی مختلف شاخوں پر مضامین کا اتنا بڑا ذخیرہ جمع کر دیا ہے۔ جس سے علوم اسلامی کی انسائیکلوپیڈیا مرتب کی جا سکتی ہے۔[١٩]

معارف کی اہمیت اور قدر افزائی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ملک کے اساطین علم وادب نہ صرف اس کو شوق سے ہاتھوں ہاتھ لے کر پابندی سے پڑھتے تھے۔ بلکہ اس کی جلدوں کو محفوظ رکھنے کا اہتمام کرتے تھے۔ علامہ اقبالؒ (م ۱۹۳۸ء) سید صاحب کو ایک خط میں لکھتے ہیں۔

یہی ایک رسالہ ہے جس کے پڑھنے سے حرارت ایمانی میں ترقی ہوتی ہے۔[۹۱]

مولانا ابوالکلام آزاد (م ۱۹۵۸ء) اپنے ایک خط میں سید صاحب کو لکھتے ہیں۔

معارف کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں۔ صرف یہی ایک پرچہ ہے اور ہر طرف سناٹا ہے۔ بحمد اللہ مولانا شبلی مرحوم کی تمنائیں رائیگاں نہیں گئیں اور صرف آپ کی بدولت ایک ایسی جگہ بن گئی جو خدمت علم وتصنیف کے لئے وقف ہے۔[۹۲]

مولانا عبدالمجید سالک مرحوم نے معارف پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنے ایک مضمون میں لکھا تھا۔

۱۹۱۶ء میں دار المصنفین کا مشہور علمی پرچہ معارف جاری ہوا۔ جو بلا مبالغہ دنیائے اسلام کا بہترین علمی وتحقیقی رسالہ ہے اور جس نے ہمارے تاریخ وتحقیق کے ذخیرہ کو مالا مال کیا۔[۹۳]

معارف بنیادی طور پر ایک علمی وتحقیقی رسالہ ہے۔ اس لئے اس میں بیشتر اسلامی اور مشرقی موضوعات پر مستند اور معیاری مضامین شائع ہوتے ہیں لیکن تنوع قائم رکھنے کیلئے تنقیدی وادبی مقالات بھی کثرت سے شائع کئے گئے ہیں۔ بلاشبہ معارف کو جامعیت اور تنوع کے اعتبار سے علوم اسلامیہ کی انسائیکلوپیڈیا قرار دیا جاسکتا ہے۔

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد اول کی اشاعت...... سیرۃ النبی کی جلد اول مولانا شبلی نعمانی (م ۱۳۳۲ھ) کی تالیف ہے اور مولانا شبلی نے اس کی تکمیل کر لی تھی مگر اس کی اشاعت سے پہلے ان کی زندگی کا ورق آخر ہو گیا۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے اس کے جو اجزاء منتشر تھے، ان کو قرینہ سے جمع کیا اور جو مباحث تشنہ تھے، ان کو تحقیق وتدقیق سے پورا کیا۔ جو حواشی نامکمل تھے ان کو مکمل کیا اور اگست ۱۹۱۸ء مطابق ربیع الثانی ۱۳۲۹ھ مطبع معارف پریس سے اس کو شائع کیا۔

مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں!

چار برس کے شدید انتظار اور شدید مزاحمتوں کے بعد آخر سیرۃ النبی کی جلد اول شائقین کے ہاتھوں پہنچ گئی۔ یہ جیسی بھی اور جس طرح بھی چھپی وہ موجودہ حالات میں نہایت مغتنم ہے[۲۲]

ارض القرآن جلد دوم اور حیات امام مالکؒ کی اشاعت...... ۱۹۱۸ء میں ارض القرآن کی جلد دوم شائع کی۔ اس وقت سید صاحب کی عمر ۳۴ سال تھی۔ اس کتاب میں انہوں نے اپنی تحقیق وتدقیق کو جس انداز میں سمیٹ کر پیش کیا ہے۔ اس سے ان کی کاوش فکر، بالغ نظری اور طرز نگارش کا ایک عجیب وغریب نمونہ دکھائی دیتا ہے جو کسی مصنف یا اہل قلم کے یہاں کم ملے گا[۲۳] اسی سال آپ نے امام مالک بن انس (م۱۷۹ھ) کے حالات اور علمی کارناموں پر حیات امام مالک کے نام سے کتاب شائع کی۔ یہ کتاب دراصل آپ کے ان مضامین کا مجموعہ ہے جو آپ نے الندوہ میں لکھے تھے اور ان کے علاوہ آپ نے اپنا رسالہ اہل السنۃ والجماعۃ جو پہلے معارف میں شائع ہوا تھا، کتابی صورت میں شائع کیا۔

مجلس خلافت کا قیام...... ۱۹۱۸ء میں ترکی حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور اس کے ساتھ اسلام کو سخت دھچکا لگا۔ مسلمانوں کے مقامات مقدسہ خطرے میں پڑ گئے اور تمام اسلامی ممالک میں بے چینی پھیل گئی۔ برصغیر کے مسلمان بھی اس سے متاثر ہوئے۔ چنانچہ برصغیر کے مسلمان زعماء نے ترکی حکومت کی بحالی کیلئے مجلس خلافت قائم کی اور اس کے قیام کی تحریک میں مندرجہ ذیل علمائے کرام اور زعمائے عظام نے کافی جدوجہد کی۔

مولانا عبدالباری فرنگی محلی (م۱۳۴۴ھ)، مولانا کفایت اللہ دہلوی (م۱۳۷۲ھ)، مولانا محمد علی جوہر (م۱۳۴۹ھ)، مولانا شوکت علی (م۱۳۴۶ھ)، مسیح الملک حکیم محمد اجمل خان (م۱۳۶۴ھ) اور چودھری خلیق الزمان (م۱۳۹۲ھ)

۱۹۱۹ء میں مجلس خلافت کا پہلا اجلاس لکھنؤ میں منعقد ہوا۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے اس اجلاس میں شرکت کی اور آپ نے اس اجلاس میں علماء اور ارباب سیاست کے درمیان حلقہ اتصال کا کام کیا اور ایسی پر درد تقریر کی کہ مسند صدارت سے پائیں تک ساری مجلس بزم

ماتم بن گئی۔ مولانا عبدالباری فرنگی محلی اور چودھری خلیق الزماں کے سارے اختلافات خس و خاشاک کی طرح بہہ گئے [۲۴]

وفد خلافت کی رکنیت...... فروری ۱۹۲۰ء میں مولانا محمد علی جوہر کی قیادت میں مجلس خلافت کا وفد جزیرۃ العرب کے مقامات مقدسہ کے تحفظ اور ترکی کے معاملات میں انصاف طلبی کے لئے بھیجا گیا۔ اس وفد کے دوسرے ارکان سید حسینؒ، سید سلیمان ندویؒ اور حسن محمد حیات تھے۔ اس وفد میں سید صاحب کا انتخاب خلافت کی مذہبی حیثیت کو واضح کرنا تھا اور آپ کی حیثیت محض ایک معزز رکن ہی کی نہیں تھی بلکہ ایک محقق، مفکر اور فاضل کی تھی [۲۵]

سید صاحب نے اس سفر میں نہ صرف برطانوی وزیر اعظم لائڈ جارج اور دوسرے ممتاز لیڈروں سے سیاسی مذاکرات کئے بلکہ انڈیا آفس لائبریری کا بھی معائنہ کیا اور اس پر ایک علمی مقالہ انڈیا آفس میں اردو کتابیں لکھا جو معارف ۱۹۲۰ء میں شائع ہوا [۲۶]۔

جمعیت العلماء کا قیام...... برصغیر کی تحریک آزادی کی جدوجہد میں علمائے کرام نے ایک نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) نے سب سے پہلے اس سلسلہ میں علمی و عملی کوشش کی اور ان کے بعد آپ کے نامور پوتے حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید (ش ۱۲۴۶ھ) اور حضرت سید احمد شہید (۱۲۴۶ھ) نے برصغیر کی تحریک آزادی میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے اور اپنی جانوں کی بھی قربانی دی۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن اسیر مالٹا (م ۱۳۲۹ھ) کی تحریک پر جمعیت العلماء کا قیام عمل میں لایا گیا اور اس سلسلہ میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی (م ۱۳۴۴ھ)، مولانا کفایت اللہ دہلوی (م ۱۳۷۲ھ)، مولانا احمد سعید دہلوی (م ۱۳۷۸ھ)، مولانا سید سلیمان ندوی (م ۱۳۷۳ھ)، مولانا ثناءاللہ امرتسری (م ۱۳۶۸ھ) اور مولانا سید محمد داؤد غزنوی (م ۱۳۸۳ھ) کی خدمات قابل قدر ہیں۔

وفد حجاز کی قیادت...... ۱۹۲۴ء میں جب سلطان عبدالعزیز آل سعودؒ نے شریف حسین کو شکست دے کر حجاز پر قبضہ کر لیا تو وہاں جمہوری اور شرعی حکومت کے قیام کی کوشش کی۔ مجلس خلافت کا نقطہ نظر یہ تھا کہ حجاز میں دنیائے اسلام کے مشورہ سے جمہوری اور شرعی حکومت قائم ہو اور اس سلسلہ میں جلد سے جلد اسلامی دنیا کی نمائندہ کانفرنس منعقد کی جائے۔ چنانچہ

مجلس خلافت نے ایک وفد تشکیل دیا۔ جس کے ارکان یہ تھے۔

مولانا سید سلیمان ندوی (م ۱۳۷۳ھ) رئیس وفد

مولانا عبدالقادر قصوری (م ۱۳۶۱ھ) رکن

مولانا عبدالحامد بدایونی (م ۱۳۵۱ھ) رکن

اس وفد نے دو ماہ جدہ میں قیام کیا مگر اس کو اپنے مقصد میں کامیابی نہ ہوئی اور یہ وفد اپنے مشن میں ناکام ہندوستان واپس آگیا۔[۲۷]

حجاز میں مؤتمر عالم اسلامی کا انعقاد اور دوسری مرتبہ وفد خلافت کی قیادت......

۱۹۲۵ء میں سلطان ابن سعود مرحوم نے حجاز پر مکمل قبضہ کر لیا اور سلطان مرحوم نے نجد و حجاز کا نام تبدیل کر کے مملکت السعودیہ العربیہ نام رکھا۔ سلطان کے اس اقدام سے برصغیر کے مسلمانوں کی ایک قلیل جماعت نے اس کی مخالفت کی۔ مولانا محمد علی جوہر بھی اس جماعت میں شامل تھے۔ جب سلطان ابن سعود مرحوم کو اس کا علم ہوا، تو آپ نے مسلہ حجاز کے سلسلہ میں تمام دنیا کے مسلمانوں کی ایک مؤتمر مکہ معظمہ میں طلب کی۔ اس میں بکثرت ملکوں کے وفود شریک ہوئے۔ مجلس خلافت نے بھی ایک وفد تشکیل دیا۔ جس کے رئیس وفد مولانا محمد علی جوہر تھے۔ سید صاحب نائب الرئیس منتخب ہوئے اور ارکان میں مولانا شوکت علی مرحوم اور شعیب قریشی شامل تھے۔

جمعیت العلماء کا بھی ایک وفد مکہ معظمہ گیا جس میں مولانا کفایت اللہ دہلوی رئیس وفد تھے اور ارکان میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا احمد سعید دہلویؒ اور مولانا عبدالحلیم شامل تھے۔ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کا ایک وفد بھی مکہ معظمہ گیا جس کے رئیس وفد مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ تھے اور ارکان میں مولانا محمد جونا گڑھی دہلوی اور مولانا ابوالقاسم سیف بنارسیؒ شامل تھے۔

مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم نے اس اجلاس میں جو تقریریں کیں، ان سے برصغیر کے مسلمانوں کی علمی و دینی عظمت کا گہرا نقش شرکاء مؤتمر کے دلوں پر قائم ہوا۔[۲۸]

ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیم ۱۹۲۳ء میں مولانا حکیم سید عبدالحیٔ الحسنیؒ نے انتقال کیا تو ان کی جگہ نواب علی حسن خانؒ خلف الصدق، مولانا سید نواب صدیق

حسن خان قنوجی رئیس بھوپال (م۱۳۰۷ھ) ندوۃ العلماء کے ناظم مقرر ہوئے تو آپ نے سید صاحب کو معتمد تعلیم مقرر کیا۔ سید صاحب نے اپنی معتمدی کے زمانہ میں مختلف حیثیتوں سے ندوۃ کی تجدید و اصلاح کی۔ نصاب تعلیم میں ضروری اصلاح و ترمیم فرمائی۔ تعلیم کے لائق اساتذہ کا انتخاب کیا۔ عرب دنیا کے نامور ادیب علامہ تقی الدین ہلالی المراکشی اسی دور میں ندوہ میں عربی ادب کے استاد مقرر ہو کر آئے۔[۲۹]

مدراس میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر خطبات اکتوبر ۱۹۲۵ء میں مدراس کی اسلامی تعلیمی انجمن کی فرمائش اور اس کے سرپرست سیٹھ محمد جمال کی دعوت پر سیرت نبویؐ کے مختلف پہلوؤں پر ۸ خطبات لالی ہال مدراس میں ارشاد فرمائے۔ یہ خطبات سیرۃ نبوی کا جوہر ہیں۔ سید صاحب کے ان خطبات کا اس زمانہ میں خیر مقدم کیا گیا اور مدراس کے انگریزی اور اردو اخبارات نے اس کے اقتباسات شائع کئے۔[۳۰]

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد دوم، سوم اور سیرت عائشہؓ کی اشاعت

۱۹۲۰ء میں مولانا سید سلیمان ندوی لندن ہی میں تھے تو ان کے استاد مرحوم مولانا شبلی نعمانی مرحوم کی سیرت النبی جلد دوم شائع ہوئی۔ اس جلد میں مولانا شبلی مرحوم نے جو مباحث نامکمل چھوڑے تھے وہ سید صاحب نے مکمل کئے اور آپ لندن ہی میں تھے کہ آپ کی کتاب سیرت عائشہؓ شائع ہوئی۔ سید صاحب نے اس کتاب میں اپنے قلم کی ادب شناسی کا ثبوت دیا ہے۔ پوری کتاب میں ادب و احترام نچھاور ہوتا دکھائی دے گا۔ تمکنت قلم کو چومتی نظر آتی ہے۔ وقار ہر سطر میں سر تسلیم خم کئے ہوئے ہے۔[۳۱]

۱۹۲۴ء میں سیرت النبیؐ کی جلد سوم جس کا موضوع معجزات ہے، شائع ہوئی۔ اس کتاب میں واقعات کی تفتیش و تلاش اور مسائل و نظریات کی بحث و تحقیق میں جو محنت و کاوش اور دیدہ ریزی کی گئی ہے، اس سے سید صاحب کے ذوق مطالعہ، وسعت نظر اور تبحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ سید صاحب نے اپنی ساری فکری اور نظری بحثوں کی اساس قرآن مجید اور احادیث پر رکھی ہے۔[۳۲]

عرب و ہند کے تعلقات پر خطبات مارچ ۱۹۲۹ء میں ہندوستانی اکیڈمی کی فرمائش پر الہ آباد میں عرب و ہند کے تعلقات پر پانچ علمی خطبات دیئے۔ ان میں دونوں کے قدیم

تعلقات کو بڑی تفصیل سے پیش کیا اور برصغیر میں مسلمانوں کی جو حالت فتوحات سے پہلے تھی، اس پر روشنی ڈالی۔[۳۳]

عربوں کی جہازرانی پر خطبات مارچ ۱۹۳۰ء میں سید صاحب نے حکومت بمبئی کے محکمہ تعلیم کی دعوت پر عربوں کی جہازرانی پر چار خطبات دیئے۔ ان میں پہلے لغات عرب اور کلام مجید سے عربوں کی بحری واقفیت اور ان کی جہازرانی کا ثبوت دیا ہے۔ اسلام کے شروع دور کے علاوہ بنو امیہ، بنو عباس، فاطمین مصر اور بنی امیہ اندلس کے زمانہ میں جو بحری لڑائیاں ہوئیں، ان کی تفصیل بیان کی ہے۔[۳۴]

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد چہارم کی اشاعت ۱۹۳۲ء میں سیرت النبیؐ جلد چہارم شائع ہوئی۔ اس کا موضوع منصب نبوت ہے، لیکن اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت دنیا اور عرب کی مذہبی و اخلاقی حالت، تبلیغ نبوت کے اصول اور اس کی کامیابی کے اسباب، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغمبرانہ کام کی تفصیل بتائی گئی ہے اور اس کے بعد اسلامی عقائد کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔[۳۵]

خیام کی اشاعت دسمبر ۱۹۳۰ء میں آل انڈیا ہسٹاریکل کانفرنس کے اجلاس پٹنہ میں سید صاحب نے ایک تاریخی و تحقیقی مقالہ خیّام کے عنوان سے پڑھا تھا۔ یہ مقالہ علمی حلقوں میں بہت پسند کیا گیا۔ سید صاحب نے اس پر مزید اضافہ کر کے اکتوبر ۱۹۳۳ء میں اس کو کتابی صورت میں شائع کیا۔ سید صاحب نے اس کتاب کی ترتیب میں سنین کی تحقیق اور تطبیق، واقعات کی تلاش و تفتیش، ماخذوں اور سندوں کے حوالوں اور خیام کی فلسفیانہ تصانیف کی جستجو میں جو فکر اور کاوش کی ہے۔ وہ ایک اہم علمی کارنامہ ہے۔ سید صاحب نے اس کتاب میں یہ ثابت کیا ہے کہ خیام اپنے زمانہ کا ایک بڑا فلسفی، ہیئت و نجوم و ریاضیات کا بہت بڑا عالم اور فلسفی قسم کا صوفی تھا[۳۶] اور تحقیق سے اس بات کی تردید کی ہے کہ خیام ایک عیاش، بدمست اور رند لاابالی شاعر تھا۔[۳۷]

برصغیر کے علاوہ ایران اور افغانستان میں اس کتاب کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔

علامہ اقبال نے خیام کو پڑھ کر سید صاحب کو لکھا۔

عمر خیام پر آپ نے جو کچھ لکھ دیا ہے اس پر اب کوئی مشرقی یا مغربی عالم اضافہ نہ کر سکے گا۔ الحمد للہ کہ اس بحث کا خاتمہ آپ کی تصنیف پر ہوا۔[۲۸]

سفر افغانستان اکتوبر ۱۹۳۳ء میں مولانا سید سلیمان ندوی نے نادر شاہ افغانستان کی طرف سے ایک علمی و تعلیمی دعوت پر علامہ اقبال اور سر راس مسعود وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے ساتھ افغانستان کا سفر کیا۔ اس وفد نے افغانستان میں دس دن قیام کیا اور وہاں کے تراجم و تالیف کے ادارہ کو وسیع کرنے کے سلسلہ میں مفید مشورے دیئے۔ اس سفر میں علامہ اقبال اور سید صاحب ایک دوسرے سے جس طرح متاثر ہوئے۔ وہ اس برصغیر کی علمی و دینی تاریخ کا بہت ہی روحانی اور دلکش باب ہے۔ اس وفد نے کابل، قندھار، غزنی، ہرات وغیرہ شہروں کو دیکھا۔ ان کے آثار و مشاہد اور علمی و تعلیمی اداروں کا معائنہ کیا اور افغانستان کے علمائے کرام اور عمائدین سے ملاقاتیں کیں۔[۲۹]

اس سفر کے سلسلہ میں سید صاحب نے سفرنامہ افغانستان بھی مرتب کیا۔ جو علمی، ادبی، تاریخی اور معلوماتی لحاظ سے ایک مستقل تصنیف بن گیا۔ سید صاحب نے سیر افغانستان کے نام سے اس سفرنامہ کی روئیداد معارف دسمبر ۱۹۳۳ء تا نومبر ۱۹۳۴ء ۱۲ نمبروں میں شائع کی۔[۳۰]

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد پنجم کی اشاعت نومبر ۱۹۳۵ء میں آپ کی کتاب سیرت النبی جلد پنجم شائع ہوئی۔ اس کا موضوع اسلامی عبادات کی توضیح و تشریح ہے۔ اس میں پہلے عبادات کی حقیقت اور اسلام میں اس کی قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ پھر اس کے فرائض خمسہ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور جہاد پر علیحدہ علیحدہ مفصل بحث ہے۔[۳۱]

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد ششم کی اشاعت نومبر ۱۹۳۸ء میں آپ کی کتاب سیرت النبی جلد ششم شائع ہوئی۔ اس جلد میں اسلام میں اخلاق کی اہمیت بتائی گئی ہے اور اس پر زور دیا گیا ہے کہ تعلیم محمدی نے اخلاق کی اہمیت کو عبادات سے زیادہ بڑھا دیا ہے۔ اس کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ جو بات بھی کی گئی ہے اس کی تائید قرآنی آیات اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پیش کی گئی ہے۔[۳۲]

نقوش سلیمانی کی اشاعت دسمبر ۱۹۳۹ء میں آپ کی کتاب نقوشِ سلیمانی شائع

ہوئی۔ یہ آپ کے ان خطوں، تحریروں اور مقدموں کا مجموعہ ہے، جو اردو ادب و زبان سے متعلق ان کے قلم سے نکلے۔ آپ کی یہ کتاب اردو زبان کی پوری تاریخ اور گزشتہ چوتھائی صدی میں اردو سے متعلق جو مسائل پیش آئے ان کی پوری سرگزشت ہے[۴۳]

رحمت عالم کی تالیف و اشاعت ۱۹۴۰ء میں آپ نے سیرت نبویؐ پر ایک مختصر کتاب رحمت عالم لکھی یہ کتاب بہت مقبول ہوئی۔ کئی مذہبی مدارس نے اس کو اپنے نصاب میں شامل کیا[۴۴]

اسلام کے سیاسی نظام کی تدوین اسلام کا اپنا ایک سیاسی نظام ہے۔ عربی میں ائمہ اسلام کی متعدد کتابیں اس موضوع پر ملتی ہیں۔ مثلاً امام ابو یوسف کی کتاب الخراج یہ حکومت کے محاصل سے متعلق ہے۔ امام ابو عبید قاسم بن سلامؒ کی کتاب الاموال جس کا موضوع اسلامی مالیات ہے۔ امام ماورویؒ اور امام ابو یعلی نے الاحکام السلطانیہ کے نام سے کتابیں لکھیں۔ حافظ ابن القیم نے الطرق الحکمیہ لکھی۔ جس کا موضوع نظام عدالت و قضاء ہے۔

اردو میں اس موضوع پر کوئی کتاب نہ تھی بلکہ متفرق چند مضامین ملتے تھے۔ پاکستان کی تحریک کے زمانہ میں جب اسلامی نظام کے قیام کا غلغلہ بلند ہوا۔ تو مسلم لیگ کی تحریک اور نواب محمد اسماعیل خان کی کوشش سے علماء اور اہل علم نے اس نظام کی کتابی تدوین کی طرف توجہ کی۔ چنانچہ ۱۹۴۱ء میں نواب احمد سعید خان چھتاری کی صدارت میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی، جس کے ارکان یہ تھے۔

مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا آزاد سبحانی، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا عبدالماجد دریا آبادی اور ڈاکٹر ذاکر حسین خان۔

مولانا سید سلیمان ندوی اس کمیٹی کے کنوینر مقرر ہوئے۔

یہ مسلم لیگ کی فراخ دلی تھی کہ اس کمیٹی کے بیشتر ارکان مسلم لیگ کے ممبر نہ تھے۔ جنوری ۱۹۴۱ء میں اس کمیٹی کا اجلاس ندوۃ العلماء لکھنؤ میں منعقد ہوا۔ اس میں طے پایا کہ مستند علماء اور جدید تعلیم یافتہ اہل علم کے مشورہ اور معاونت سے اسلامی سیاست و اقتصادیات پر ایک کتاب تالیف کی جائے۔ چنانچہ اس کام کیلئے مولانا محمد اسحاق سندیلوی استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی خدمات حاصل کی گئیں اور انہوں نے بڑی محنت اور دیدہ ریزی

سے اسلام کے سیاسی نظام کے عنوان سے ایک کتاب تیار کی اور اس کی نقلیں تمام ارکان کے پاس بھیجی گئیں۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے اس میں نظر ثانی اور جا بجا ترمیم فرمائی! پھر حالات نے کچھ ایسا پلٹا کھایا کہ یہ کتاب اس وقت شائع نہ ہو سکی۔ ۱۹۵۶ء میں سید صاحب کا ترمیمی نسخہ دار المصنفین اعظم گڑھ سے شائع ہو گیا ہے۔[۴۵]

حیات شبلی کی اشاعت حیات شبلی سید سلیمان ندوی کی آخری تصنیف ہے جو فروری ۱۹۴۴ء میں شائع ہوئی۔ اس کو سید صاحب نے تین برس کی جانکاہ محنت کے بعد مکمل کیا۔ اس میں مولانا شبلی کے علمی کمالات و اجتہادات اور ان کے زمانہ میں تمام تعلیمی اصلاحی اور قومی تحریکوں میں ان کی دلچسپیوں کا ایسا دلکش مرقع کھینچا ہے کہ ان کے نہ صرف خدوخال نمایاں ہو گئے بلکہ مسلمانان ہند کے پچاس برس کے علمی، ادبی، سیاسی اور مذہبی واقعات کی تاریخ بھی قلم بند ہو گئی ہے۔[۴۶]

مولانا سید سلیمان ندوی ریاست بھوپال میں...... متحدہ ہندوستان میں ریاست بھوپال کو دینی لحاظ سے ایک خاص مقام حاصل تھا۔ مولانا شبلی نعمانی کو سیرۃ النبی کی تحریک اور سیرۃ عائشہ کی تالیف کی تحریک سید صاحب کو نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ والیہ بھوپال نے کی تھی۔

محی السنۃ مولانا نواب سید صدیق حسن خاں (م ۱۳۰۷ھ) کے زمانہ میں ریاست بھوپال نے علمی و تحقیقی لحاظ سے بہت ترقی کی اور نواب صاحب کے دور میں بھوپال علمائے کرام کا مرکز تھا۔ نواب سر حافظ حمید اللہ خاں مرحوم بڑے بیدار مغز حکمران تھے۔ انہوں نے نئے سرے سے دینی تعلیم کی طرف توجہ کی اور اس شعبہ کو پہلے کی طرح فعال اور سرگرم عمل بنانا چاہا۔ چنانچہ آپ نے مولانا سید سلیمان ندوی کو امیر جامعہ اور ریاست بھوپال کا قاضی القضاۃ مقرر کیا اور جون ۱۹۴۶ء میں سید صاحب بھوپال تشریف لے گئے۔ مگر ندوۃ اور دار المصنّفین سے بھی تعلق بدستور قائم رہا۔[۴۷]

حج بیت اللہ..... سید صاحب نے پہلا حج ۱۹۲۶ء میں جب مؤتمر عالم اسلامی کے اجلاس میں شرکت کے لئے گئے تھے، کیا تھا۔ ۱۹۴۷ء میں حج کا ارادہ کیا، لیکن تقسیم ملک سے آپ کو اپنا ارادہ ملتوی کرنا پڑا اور آخر آپ ۱۹۴۹ء میں اس سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔[۴۸]

حج سے واپسی اور بھوپال سے علیحدگی...... ۱۵ر دسمبر ۱۹۴۹ء کو سید صاحب جدہ سے روانہ ہوئے اور بمبئی پہنچے۔ بمبئی میں آپ کا قیام ایک ماہ رہا اور جنوری ۱۹۵۰ء کے تیسرے ہفتہ میں بھوپال پہنچے۔ اس وقت بھوپال کی ریاستی حیثیت ختم ہو چکی تھی۔ مسلمان ملازم رخصت ہو چکے تھے اور ان کی جگہ ہندو ملازم آ گئے تھے۔ سید صاحب نے جب یہ حالات دیکھے جو بہت دل برداشتہ ہوئے اور آپ نے امیر جامعہ اور قاضی القضاۃ کے عہدے سے استعفیٰ دے دیا۔ جو بخوشی منظور کر لیا گیا اور سید صاحب یکم جون ۱۹۵۰ء کو بھوپال سے رخصت ہو گئے۔[۴۹]

ہجرت اور قیام پاکستان...... مارچ ۱۹۴۹ء میں قراردادِ مقاصد پاس ہوئی جس کی رو سے پاکستان کو کتاب و سنت کے چوکھٹے میں لانا ضروری ہو گیا۔ اس ضرورت کے تحت طے پایا کہ پانچ جید اور مستند علماء کا ایک بورڈ قائم کیا جائے۔ خان لیاقت علی خاں مرحوم اور وزیر داخلہ خواجہ شہاب الدین مرحوم علامہ سید سلیمان ندوی کو مرکزِ نگاہ بنائے ہوئے تھے چنانچہ اس معاملہ میں جب مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم سے مشاورت کی گئی تو آپ نے فرمایا۔ طبقہ علماء میں صرف علامہ سید سلیمان ندوی ہی کی شخصیت اس کام کے لئے موزوں ہو سکتی ہے کیونکہ وہ جدید و قدیم کا سنگھم ہیں چنانچہ اتفاق رائے سے ایک بورڈ تشکیل دیا گیا اور مولانا سید سلیمان ندوی کو متفقہ طور پر بورڈ کا صدر منتخب کیا گیا۔ بورڈ کے ارکان حسب ذیل تھے۔

ڈاکٹر حمید اللہ حیدر آبادی، مولانا مفتی محمد شفیع مرحوم، پروفیسر عبدالخالق مرحوم اور مولانا جعفر حسین مرحوم!

سید صاحب اس وقت بھوپال میں مقیم تھے۔ آپ کو وہاں اطلاع کر دی گئی، لیکن حالات کچھ ایسے پیدا ہوئے کہ سید صاحب ۱۵ر جون ۱۹۵۰ء سے پہلے کراچی نہ پہنچ سکے۔[۵۰]

اسلامی دستور کے خاکہ کی ترتیب...... دسمبر ۱۹۵۰ء میں سید صاحب کی صدارت میں ۳۱ علماء کا ایک اجتماع کراچی میں منعقد ہوا۔ جس میں شیعہ، سنی، دیوبندی، بریلوی اور اہلحدیث ہر مکتب خیال کی نمائندگی تھی۔ انہوں نے مجوزہ خاکہ بنا کر حکومت کو پیش کر دیا مگر یہ رپورٹ کالعدم ہو گئی اور وزیر اعظم لیاقت علی خان نے ایک کمیشن قائم کر دیا۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ مروجہ قانون پر نظر ثانی کر کے اس کو شریعت کے مطابق بنایا جائے۔ اس کمیٹی

کے ارکان جسٹس عبدالرشید، جسٹس میمن اور سید صاحب تھے۔ سید صاحب کی سفارش پر مولانا مفتی محمد شفیع مرحوم بھی اس کے رکن بنا دیئے گئے۔[۵۱]

عالم اسلام کا علمی اعزاز...... ۱۹۵۲ء میں مصر کی علمی و ادبی اکیڈمی "مجمع فواد الاول" نے سید صاحب کو اکیڈمی کا رکن منتخب کیا۔ یہ اعزاز بر صغیر میں بقول مولانا مسعود عالم ندوی (م۱۹۶۷ء) اس سے پہلے کسی کو نہیں ملا تھا۔[۵۲]

بھارت کا آخری سفر...... مارچ ۱۹۵۳ء میں سید صاحب نے بھارت کا آخری سفر کیا اور براستہ ڈھاکہ پہلے فتح پور تشریف لے گئے۔ وہاں سے آپ لکھنؤ تشریف لے گئے۔ جب آپ ندوۃ العلماء میں پہنچے تو یہ شعر پڑھا۔

میں اپنے گھر میں آیا ہوں مگر انداز تو دیکھو
میں اپنے آپ کو مانندِ مہمان لے کے آیا ہوں

تو سامعین اس سے بہت متاثر ہوئے۔ اس کے بعد مولانا سید سلیمان ندوی نے ایک بڑی پر اثر تقریر کی اور آخر میں طلبائے ندوہ کو یہ پیغام دیا۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا[۵۳]

آخری احوال...... تذکرۂ سلیمان کے مصنف غلام محمد صاحب لکھتے ہیں کہ سید صاحب نے وفات سے دو دن قبل فرمایا۔

> مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خواہش تھی کہ اپنی تصنیفات کے اہم مضامین یک جا کر دیں چنانچہ ان کی تصنیف بوادر النوادر کی تالیف اسی جذبہ کے تحت ہوئی تھی۔ میرا بھی جی چاہتا ہے کہ میرے منتشر مضامین "فن واری" کے ساتھ یک جا ہو جائیں۔[۵۴]

سید صاحب کی اس خواہش کی تکمیل ان کی وفات کے بعد ہو گئی۔ مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی (م۱۹۷۴ء) آپ کے ۶۰ مقالات ۳ جلدوں میں شائع کر دیئے، جن کی تفصیل یہ ہے۔

مقالات سلیمان جلد اول تاریخی مقالات ۱۹۶۲ء میں شائع ہوئی۔ تعداد مقالات = ۱۶

مقالات سلیمان جلد دوم علمی وتحقیقی مقالات ۱۹۶۸ء میں شائع ہوئی۔ تعداد مقالات = ۲۰

مقالات سلیمان جلد سوم مذہبی مقالات ۱۹۷۱ء میں شائع ہوئی۔ تعداد مقالات ۲۴

میزان = ۶۰

وفات...... انتظار کی مدت اب تمام ہوئی اور بقول کسی عارف۔

من زتن عریاں شدم او از خیال   می خرامم درنہایت الرجال

اتوار ۱۴ر ربیع الاول ۱۳۷۳ھ مطابق ۲۲ر نومبر ۱۹۵۳ء ساڑھے سات بجے شام انتقال کیا۔ اور ۲۳ر نومبر ۱۹۵۳ء صبح دس بجے مولانا شبیر احمد عثمانی کے مدفن کے قریب دفن ہوئے۔[۵۵]

برصغیر پاک وہند میں ماتم...... مولانا سید سلیمان ندوی کی وفات تنہا ایک شخص کی وفات نہ تھی بلکہ ایک جامع کمالات ہستی کی وفات تھی۔ جس کی علمی ضیاء باری سے پوابر صغیر منور رہا۔ جس کے کمالات کا آوازہ نصف صدی تک گونجتا رہا۔ اس لئے آپ کی وفات سے برصغیر پاک وہند میں صف ماتم بچھ گئی۔ ہر طبقہ کے اکابر نے آپ کی وفات پر بیانات دیئے۔ آپ کی یاد میں تعزیتی جلسے ہوئے۔ اخبارات ورسائل کے خاص نمبر نکالے گئے۔ شعرائے کرام نے تاریخی قطعات اور مرثئیے لکھے۔[۵۶]

سید عروج احمد قادری فرماتے ہیں۔

گلشن سیرت میں جس کے دم سے آئی تھی بہار
اے دریغا چل بسا دنیا سے وہ سیرت نگار[۵۷]

سید محمد منظور الرحمان اختر نے تاریخ ارتحال اس طرح نکالی۔

گفت رضواں بر در خلدش "جزاک"
باز گفتہ ادخلوھا خالدین[۵۸]

۳۱ + ۱۳۴۲ = ۱۳۷۳

حواشی

[۱] سید صباح الدین عبدالرحمان سوانح حیات (مضمون) معارف سلیمان نمبر ص ۱

۱؎ غلام محمد 'تذکرہ سلیمان ص۳۹
۲؎ حکیم سید عبدالحئ الحسنی نزھۃ الخواطر ج۸ص۱۶۳ ۳؎ سید سلیمان ندوی معارف جولائی ۱۹۵۰ء
۴؎ سید سلیمان ندوی میری محسن کتابیں (مضمون) مشمولہ کتاب مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں مرتبہ عمران خاں ندوی ص۸
۵؎ شاہ معین الدین احمد ندوی حیات سلیمان ص۲۹
۶؎ سید صباح الدین عبدالرحمان 'سوانح حیات (مضمون) معارف سلیمان نمبر ص۵
۸؎ محمد نعیم صدیقی ندوی سید سلیمان ندوی شخصیت وادبی خدمات ص۶۷
۹؎ سید سلیمان ندوی' حیات شبلی ص۲۲۷
۱۰؎ سید سلیمان ندوی مضمون رسالہ مستقل کراچی اکتوبر ۱۹۴۹ء ص۱۸
۱۱؎ شبلی نعمانی 'مکاتیب شبلی ج۲ص۹۹ ج۱ص۲۵۸' ج۲ص۱۰۰' ج۲ص۱۱۰
۱۲؎ سید سلیمان ندوی 'یادرفتگاں ص۴۴۴
۱۳؎ شاہ معین الدین احمد ندوی حیات سلیمان ص۸۵
۱۴؎ صباح الدین عبدالرحمان سوانح حیات مضمون مشمولہ معارف سلیمان نمبر ۱۱
۱۵؎ سید سلیمان ندوی معارف جولائی ۱۹۱۶' شذرات
۱۶؎ محمد نعیم صدیقی ندوی۔ سید سلیمان ندوی شخصیت وادبی خدمات ص۳۷۰
۱۷؎ سید ابوالحسن علی ندوی' کاروان زندگی ج۳ص۳۲۰
۱۸؎ شاہ معین الدین احمد ندوی۔ حیات سلیمان ص۱۱۱
۱۹؎ اقبال نامہ مرتبہ شیخ عطاء اللہ ج۱ص۸۰ مکتوب نمبر۴
۲۰؎ مکاتیب ابوالکلام بنام سید سلیمان ندوی مطبوعہ رسالہ معارف اکتوبر ۱۹۵۳ء ص۲۱۳
۲۱؎ عبدالمجید سالک رسالہ ماہ نو کراچی جنوری ۱۹۵۴ء ص۲۵
۲۲؎ سید سلیمان ندوی 'معارف ستمبر ۱۹۱۸ء شذرات ۲۳؎ سید صباح الدین عبدالرحمان 'مولانا سید سلیمان کی تصانیف ایک مطالعہ ج۱ص۶۳
۲۴؎ محمد نعیم صدیقی ندوی 'سید سلیمان ندوی شخصیت وادبی خدمات ص۷۸
۲۵؎ رئیس احمد جعفری 'علی برادران ص۶۳۴' ۲۶؎ سید سلیمان ندوی معارف جون ۱۹۲۰ء
۲۷؎ غلام محمد تذکرہ سلیمان ص۶۰
۲۸؎ محمد نعیم صدیقی ندوی 'مولانا سید سلیمان ندوی شخصیت وادبی خدمات ص۸۱
۲۹؎ شاہ معین الدین احمد ندوی 'حیات سلیمان ص۲۸۶ ۳۰؎ شاہ معین الدین احمد ندوی حیات سلیمان ص۲۸۹

۲۱ سید صباح الدین عبدالرحمان، مولانا سید سلیمان ندوی کی تصانیف ایک مطالعہ ج ۱ ص ۱۰
۲۲ سید صباح الدین عبدالرحمان، مولانا سید سلیمان ندوی کی تصانیف ایک مطالعہ ج ۱ ص ۱۱
۲۳ شاہ معین الدین احمد ندوی حیات سلیمان ص ۲۶۷
۲۴ سید صباح الدین عبدالرحمان، مولانا سید سلیمان ندوی کی تصانیف ایک مطالعہ ج ۱ ص ۱۴
۳۵ شاہ معین الدین احمد ندوی، حیات سلیمان ص ۳۹۲
۳۶ سید صباح الدین عبدالرحمان مولانا سید سلیمان ندوی کی تصانیف ایک مطالعہ ج ۱ ص ۱۷
۳۷ شاہ معین الدین احمد ندوی، حیات سلیمان ص ۴۰۵
۳۸ شیخ عطاء اللہ اقبالنامہ (مکاتیب اقبال) ج ۱ ص ۷۸
۳۹ شاہ معین الدین احمد ندوی، حیات سلیمان ص ۴۰۶
۴۰ سید سلیمان ندوی معارف دسمبر ۱۹۳۳ء تا نومبر ۱۹۳۴ء
۴۱ شاہ معین الدین احمد ندوی، حیات سلیمان ص ۴۳۱
۴۲ سید صباح الدین عبدالرحمان مولانا سید سلیمان ندوی کی تصانیف ایک مطالعہ ج ۱ ص ۲۰
۴۳ شاہ معین الدین احمد ندوی حیات سلیمان ص ۴۷۵
۴۴ شاہ معین الدین احمد ندوی حیات سلیمان ص ۴۸۵
۴۵ شاہ معین الدین احمد ندوی حیات سلیمان ص ۴۸۶
۴۶ سید صباح الدین عبدالرحمان مولانا سید سلیمان ندوی کی تصانیف ایک مطالعہ ج ۱ ص ۲۵
۴۷ شاہ معین الدین احمد ندوی، حیات سلیمان ص ۵۱۵
۴۸ غلام محمد، تذکرۂ سلیمان ص ۳۱۲، ۴۹ عبدالماجد دریا آبادی۔ مکتوبات سلیمانی ج ۲ ص ۲۳۸
۵۰ شاہ معین الدین احمد ندوی، حیات سلیمان ص ۵۵۶ ۵۱ غلام محمد، تذکرہ سلیمان ص ۳۴۳۔ ۵۲ غلام محمد، تذکرہ سلیمان ص ۲۴۰
۵۳ سید صباح الدین عبدالرحمان مضمون سوانح حیات معارف سلیمان نمبر ص ۴۶
۵۴ غلام محمد، تذکرہ سلیمان ص ۲۶۱
۵۵ شاہ معین الدین احمد ندوی، حیات سلیمان ۵۹۹
۵۶ شاہ معین احمد ندوی حیات سلیمان ص ۵۹۹
۵۷ " " ص ۶۹۴
۵۸ " " " ۶۹۹

ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

خودی اور تخلیق

ایک خط کی تخلیق کا عمل

جب کوئی شخص ایک خط لکھنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ اپنے دل میں کہتا ہے کہ اس مضمون کا لکھا ہوا ایک خط سپرد ڈاک ہو جائے۔ اس کا یہی عزم اس کے خط کے لیے اس کا قول کن ہے۔ اس قول کے وقت اس کے خط کا ایک ایک لفظ اس کے شعور کے اندر موجود ہوتا ہے اور وہ خط کی اسی ذہنی یا شعوری صورت کو ہی خارجی طور پر ظہور پذیر کرنے کے لیے قول کن سے خطاب کرتا ہے۔ تاہم جب تک خط اس کے ذہن میں ہی ہوتا ہے عملی طور پر یہ واضح نہیں ہوتا کہ اس کے الفاظ درحقیقت کیا ہیں۔ قول کن کے بعد تخلیق کی صورت میں زمان و مکان کے اندر خط کا بیرونی ظہور فوری نہیں ہوتا بلکہ تدریجی تکمیل یا تدریجی ارتقا کے ایک عمل کی صورت اختیار کرتا ہے۔ جب تک خط اس کے شعور میں ہوتا ہے اس وقت تک اگرچہ خط کے وہ الفاظ جن کا ارادہ وہ کر چکا ہوتا ہے اس کے سامنے نہیں آتے تاہم اس کے شعور میں موجود ہوتے ہیں اور پھر قول کن سے اس کے شعور میں وہ الفاظ ہی وجود میں نہیں آتے جو درحقیقت اس کے مقصد سے مطابقت رکھتے ہیں اور لہٰذا درست اور زیبا اور اچھے ہوتے ہیں بلکہ وہ تمام الفاظ بھی جو اس کے مقصد سے نزدیک یا دور کی مطابقت کا کوئی امکان رکھ سکتے ہیں وجود میں آتے ہیں لیکن مقصود الفاظ کو غیر مقصود الفاظ سے ممیّز کرنے کا موقع اس وقت آتا ہے جب وہ خط لکھنے لگتا ہے کیونکہ اس وقت وہ ان الفاظ کو جو اس کے مقصد سے درحقیقت مطابقت نہیں رکھتے عملی طور پر جان لیتا ہے۔ لہٰذا یا تو لکھ کر کاٹ دیتا ہے یا بغیر لکھنے کے اپنے ذہن میں منسوخ کر دیتا ہے کیونکہ وہ اس کے مقصد کے اعتبار سے غلط اور ناخوب اور بُرے ہوتے ہیں۔ ترک و اختیار اور تنسیخ اور تثبیت کے اس عمل سے وہ درحقیقت اس صحیح مطلوب اور مقصود خط کی جستجو کرتا ہے جس کو اس نے

قولِ کُن کہا تھا اور جو اس کے شعور میں شروع سے ہی موجود ہو گیا تھا۔ اس طرح سے خط کی تخلیق میں لکھنے والے کی تمام صفاتِ جلال و جمال اپنا اظہار پاتی ہیں۔ اگر درست الفاظ کی ترتیب اور تنظیم میں لکھنے والے کی صفاتِ جمال کام کرتی ہیں تو غلط الفاظ کی تردید اور تنسیخ میں اس کی صفاتِ جلال بروئے کار آتی ہیں۔ الغرض اس کا خط لکھنا کسی مقصود یا مطلوب کی ایسی جستجو کی صورت اختیار کرتا ہے جس کے ذریعے سے وہ اپنے آپ کا اظہار کرتا ہے اور اسی بنا پر وہ تخلیق یا آفریدن کا ایک عمل ہوتا ہے جس پر اقبال کی یہ تعریف صادق آتی ہے:

آفریدن جستجوئے دلبرے
وانمودن خویش را بر دیگرے

پھر جب تک خط اس کے ذہن میں ہوتا ہے وہ خط زمان و مکان کی دنیا میں نہیں ہوتا اور نہ ہی یہ بتایا جا سکتا ہے کہ خط کے مقصد کے اعتبار سے کون سے الفاظ درست ہیں اور کون سے نادرست، کون سے زیبا ہیں اور کون سے نازیبا اور کون سے اچھے ہیں اور کون سے بُرے لیکن جونہی وہ خط لکھنے لگتا ہے خط کا مضمون ایک ابتدا سے ایک انتہا کی طرف حرکت کرنے یا بتدریج ارتقا کرنے یا تکمیل پانے لگتا ہے اور ایسا کرتے ہوئے کاغذ پر کچھ فاصلہ طے کرتا ہے اور کچھ وقت صرف کرتا ہے۔ اس طرح خط کی تخلیق سے حرکت اور خط کے زمان و مکان وجود میں آتے ہیں پھر خط لکھنے والا اپنے مقصد سے جو کشش رکھتا ہے وہ خط کے تمام الفاظ کے اندر سرایت کر جاتی ہے اور ان کی باہمی کشش کی صورت اختیار کرتی ہے ان کو ایک دوسرے سے مربُوط کرتی ہے اور ان کے اندر ایک خاص ترتیب اور تنظیم اور تسلسل پیدا کرتی جاتی ہے۔ گویا خط جب خارج میں تخلیق کی صورت اختیار کرتا ہے تو کسی مطلوب یا مقصود کی محبّت اور جستجو، مقصود کے غلط اور ناقص متبادلات، حرکت، تدریجی ارتقا، خط کے زمان و مکان، الفاظ کی باہمی کشش، درست و نادرست اور خوب و ناخوب کا امتیاز اور لکھنے والے کی صفاتِ جلال و جمال کا اظہار خط کی تخلیق کے لوازمات کے طور پر نمودار ہوتے ہیں۔

کائنات کی تخلیق کا عمل

کائنات کی تخلیق کی صورت میں بھی تخلیق کے یہی لوازمات اظہار پاتے ہیں۔ خدا کے قولِ

کُن کے وقت کائنات اپنی پوری تفصیلات کے ساتھ خدا کے شعور میں موجود ہوگئی تھی۔ کائنات کی اس ذہنی یا شعوری حالت کو ہی خدا نے کُن کا حکم دیا تھا۔ کائنات کی ایسی حالت کو ہی قرآنِ حکیم نے لوحِ محفوظ یا اُمّ الکتاب کہا ہے۔ تاہم تخلیق کی صورت میں کائنات کا خارجی ظہور فی الفور نہیں ہوا بلکہ اس نے تدریجی ارتقا کے ایک عمل کی صورت اختیار کی ہے اور یہ عمل عرصہ دراز سے جاری ہے اور جب تک نوعِ انسانی اپنی تکمیل کی انتہا کو نہیں پہنچ جاتی برابر جاری رہے گا۔ تخلیق حسن کی جانب خودی کے ارادہ کی حرکت کا نام ہے۔ حرکت تخلیق کی اصل ہے جس کے بغیر تخلیق ممکن ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کائنات کی ہر چیز کی بنیاد حرکت ہے اور پوری کائنات متحرک ہے :

فریب نظر ہے سکون و ثبات
تڑپتا ہے ہر ذرّہ کائنات
ٹھہرتا نہیں کاروانِ وجود
کہ ہر لحظہ تازہ ہے شانِ وجود

خودی یا زندگی کا راز اگر کوئی ہے تو یہی ہے کہ وہ اپنے مقصود کی طرف اُڑنے یعنی نہایت سُرعت کے ساتھ حرکت کرنے کا ایک ذوق ہے۔

سمجھتا ہے تو راز ہے زندگی
فقط ذوقِ پرواز ہے زندگی

جب تک کائنات فقط خدا کے شعور میں تھی وہ زمان و مکان میں نہیں تھی لیکن جب اس نے خارج میں تخلیق کی صورت اختیار کی اور اس کی حرکت وجود میں آئی تو اس حرکت کے ساتھ ہی زمان و مکان بھی وجود میں آ گئے۔ کیونکہ حرکت کے معنی یہ ہیں کہ جو چیز حرکت کر رہی ہے وہ ایک ابتدا سے ایک انتہا کی طرف آگے بڑھ رہی ہے اور لہٰذا ایسا کرتے ہوئے کچھ وقت صرف کر رہی ہے اور کچھ فاصلہ طے کر رہی ہے۔ یعنی اس کی حرکت زمان و مکان میں ہے۔ پھر تخلیقِ کائنات کی ابتدا کے ساتھ ہی خوب و ناخوب اور زشت و زیبا اور حق و باطل کا امتیاز بھی نمودار ہوگیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خودی کی فطرت اس قسم کی ہے کہ وہ حُسن کو ضدِّ حُسن سے ممیز کرتی ہے اور جب حُسن کے کسی تصوّر سے محبّت کرتی ہے تو اس کی ضد سے بیزار ہوتی ہے۔ محبّت کا تقاضا یہ ہے کہ محبوب سے قرب

تلاش کیا جائے اور بیزاری کا تقاضا یہ ہے کہ محبّت کی خاطر مرجع بیزاری کو دُور کیا جائے اور برباد کیا جائے۔ چونکہ خودی سراسر محبّت ہے اس کی تمام صفات فقط اس کی محبت کی خدمت اور اعانت کے لیے اور محبّت کے مقاصد کی تحصیل اور تکمیل کے لیے اظہار پاتی ہیں بلکہ یُوں کہنا چاہیئے کہ خودی کی جُملہ صفات اُس کی مرکزی صفتِ محبّت کے تقاضے یا شیوؤن یا کوائف ہیں اور ان صفات کی شکل میں خود محبّت ہی اپنی مختلف حالتوں اور موقعوں کا اظہار کرتی ہے۔

خدا کی تخلیق میں صفاتِ جمال و جلال کی کارفرمائی

تاہم کائناتی خودی کی بعض صفات ایسی ہیں کہ وہ براہِ راست اور بلاواسطہ محبّت کی خدمت اور اعانت کرتی ہیں مثلاً رَبّ، حافظ، حفیظ، وکیل، رحمٰن، رحیم، مومن، مھیمن، غفّار، وہّاب، رزّاق، باسط، رافع، رقیب، مُعِزّ، فتّاح وغیرہ ایسی صفات کو صفاتِ جمال کہا جاتا ہے اور بعض صفات ایسی ہیں کہ وہ بالواسطہ یعنی محبّت کے راستہ کی رکاوٹوں کو دُور کر کے محبّت کی خدمت اور اعانت کرتی ہیں مثلاً قہّار، مُذِلّ، منتقم، مانع، ضارّ وغیرہ ایسی صفات کو صفاتِ جلال کہا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خودی کی فطرت اس قسم کی ہے کہ اگر اس کی صفاتِ جمال اپنے اظہار کے لیے کسی ایسے تصوّرِ حُسن کا تقاضا کرتی ہیں جس کی تحصیل اور تکمیل کے لیے وہ اپنی تخلیقی اور تربیتی کارروائی کرے تو اس کی صفاتِ جلال اپنے اظہار کے لیے ایسے ضدِ حُسن تصوّرات کا تقاضا کرتی ہیں جنہیں وہ اپنے آپ کا مخالف اور غیر سمجھے اور اپنے تصورِ حُسن کی تخلیق اور تکمیل کی خاطر اپنے راستہ سے ہٹائے اور برباد کرے لہٰذا وہ حُسن کے ساتھ ضدِ حسن بھی پیدا کرتی ہے اور ضدِ حسن سے اس کی بیزاری محبّتِ حسن کے تابع رہتی ہے۔ کائنات کی تخلیق کے اندر قدم قدم پر جدّ و جہد اور کش مکش اور پیکار کا باعث یہی حقیقت ہے۔ اقبال اس حقیقت کا ذکر اس طرح سے کرتا ہے:

سازد از خود پیکرِ اغیار را ناَفزاید لذتِ پیکار را
مے شود از بہرِ اغراضِ عمل عامل و معمول و اسباب و علل

انسان کی تخلیق میں صفاتِ جلال وجمال کا عمل

اگر ہم اپنے آپ پر غور کریں تو یہ حقیقت اور واضح ہو جاتی ہے۔ جب ہم کسی کام کو انجام دینے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے بہت سے امکانات ہمارے ذہن میں آتے ہیں لیکن جب ہم فی الواقع وہ کام کرنے لگتے ہیں تو ہم صرف ایک امکان کو جو ہمارے مقصود سے درحقیقت مطابقت رکھتا ہے خوب اور حق اور زیبا سمجھ کر چُن لیتے ہیں اور باقی تمام امکانات کو جو دراصل خُوب اور ناخوب اور حق اور باطل اور زشت اور زیبا کا ممزدج یا مرکب ہوتے ہیں ناخوب اور باطل اور زشت سمجھ کر رد کر دیتے ہیں۔ کیونکہ وہ ہمارے مقصود سے پوری پوری مطابقت نہیں رکھتے۔ جو امکان حق اور خوب اور زیبا ہوتا ہے وہ صرف ایک ہی ہوتا ہے لیکن باطل اور ناخوب اور زشت امکانات جو حق و باطل کی شرکت سے بنتے ہیں بہت سے ہوتے ہیں۔

باطل دوئی پسند ہے حق لا شریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول!

عملِ ارتقا میں تخریب اور تبذیر کی حکمت

خدا کی تخلیق کی صورت میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ خدا کا کسی امکان کو سوچنا اس کو پیدا کر دیتا ہے۔ خدا پہلے اپنی پسندیدہ تخلیق کے تمام امکانات کو عمل میں لاتا ہے اور پھر اُس ایک امکان کو چُن لیتا ہے جو تخلیق کی صورت اختیار کرنے کے بعد یعنی عملی طور پر اس مقصد کے مطابق اور لہٰذا خوب اور حق اور زیبا ثابت ہوتا ہے اور باقی امکانات کو یا تو صفحۂ ہستی سے بالکل مٹا دیتا ہے یا نظر انداز کر دیتا ہے۔ جس کے نتیجہ کے طور پر وہ جس حالت کو پہنچ جاتے ہیں اسی پر قائم رہتے ہیں اور مزید ترقی نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ کائنات کے ارتقا کے دَوران مادّی، حیاتیاتی اور انسانی سطحِ ارتقا پر ایسی مخلوقات بھی وجود میں آتی رہی ہیں جو خُدا کے نصب العین یعنی انسانیتِ کاملہ کی تخلیق سے براہِ راست کوئی تعلق نہ رکھتی تھیں اور فقط تخلیق کے اصل مرکزی سلسلہ کی ضمنی یا اتفاقی پیداوار تھیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ خود ہی ایسی مخلوقات کو یا تو مٹا دیتی رہی یا

ایک ہی حالت پر موجود رہنے کے لیے چھوڑ دیتی رہی۔ مثلاً خودی نے لاکھوں نظام ہائے شمسی پیدا کیے لیکن بظاہر صرف ایک نظامِ شمسی اس کے مقصد کے مطابق تھا۔ یعنی وہ جس کے ایک زمین نامی سیارہ میں زندگی نمودار ہو کر نشو و نما پا رہی ہے۔ اُس نے لاکھوں گلشنوں کو پیدا کیا ہوگا۔ لیکن اس کا مقصود صرف چند خوبصورت پھول تھے جن کی اقسام نباتاتی عملِ ارتقا میں باقی رہ گئی ہیں۔ اُس نے قدرت میں سینکڑوں ناخوشگوار آوازیں پیدا کی ہونگی، تب جا کر اسے چند خوش گلو پرندوں کے دلآویز نغمے میسّر آئے ہیں۔ اُس نے ہزاروں انبیاء پیدا کیے لیکن صرف حضرت محمّد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہی کو تعلیمِ نبوّت کے کمال پر پہنچایا اور مؤثر حالت میں باقی رکھا۔ اس طرح سے یہ بات اس کی فطرت میں ہے کہ وہ اقبال کے الفاظ میں گویا اپنے آپ کو فریب دیدے کر اپنے مقصود کو حاصل کرتی ہے۔ بعض لوگ اُسے قدرت کا قہر یا اسراف سمجھتے ہیں لیکن درحقیقت خودی کا یہ کام اس کی فطرت کے عین مطابق ہے اگر خودی ایسا نہ کرے تو وہ خودی نہ ہو۔ خودی جو چیز پیدا کرنا چاہتی ہے وہ فی الفور پیدا نہیں کرتی بلکہ قدرت اور اختیار کے باوجود اپنے آپ پر لازم کرتی ہے کہ پہلے بہت سے ناکام تجربات کرتی اور اپنی ناکمل تخلیقات کا خون کرتی رہے لیکن آخر کار اس کی تخلیق اس کمال کو پہنچتی ہے جو اس کا مقصود ہوتا ہے۔ اس ظاہری قہر اور اسراف کے بغیر جمالِ معنوی کی تخلیق اور تکمیل ممکن نہیں ہوتی۔ خودی کی صفات کے مطابق حسن کی تخلیق اور تکمیل کے لیے غیرِ حسن کی تخلیق اور تباہی ضروری ہے۔ علّامہ اقبال اس حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

خود فریبی ہائے او عینِ حیات — ہمچو گل در خوں وضو عینِ حیات
بہرِ یک گل خونِ صد گلشن کند — از پئے یک نغمہ صد شیون کند
شعلہ ہائے او صد ابراہیم سوخت — تا چراغِ یک محمّد بر فروخت
عذرِ ایں اسراف وایں سنگیں دلی — خلق و تکمیلِ جمالِ معنوی،
صد نیستاں کاشت تا یک نالہ رست — صد چمن خوں کرد تا یک لالہ رست
نقشہا آورد و افگند و شکست — تا بلوحِ زندگی نقشِ تو بست
نالہ ہا در کشت جاں کاریدہ است — تا نوائے یک اذاں بالیدہ است
مدّتے پیکار با احرار داشت — با خداوندانِ باطل کار داشت

تخمِ ایماں آذر اندر گل نشاند با زبانت کلمۂ توحید خواند

ترک و اختیار تخلیق کے لوازمات ہیں

ترک اور اختیار کے اسی عمل کی وجہ سے جو تخلیق کو لازم ہے اور جس کا دار و مدار محبت پر ہے اقبال تخلیق کو کسی محبوب کی جستجو سے تعبیر کرتا ہے۔ ع

آفریدن جستجوئے دلبرے
وانمودن خویش را بر دیگرے

تخلیق و تکمیلِ کائنات کی غرض سے ترک و اختیار کے اس عمل کا ذکر قرآن حکیم میں ہے:

یَمْحُوا اللّٰهُ مَا یَشَاءُ وَیُثْبِتُ وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْکِتٰبِ (۱۳:۴۱)

(خدا اپنی تخلیق میں سے جس چیز کو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے اور اس کے پاس اُمّ الکتاب یا لوح محفوظ ہے جس میں یہ بات طے شدہ موجود ہے کہ کیا چیز مٹائی جائے گی اور کیا چیز باقی رکھی جائے گی)

اسی موضوع پر ایک اور جگہ قرآن کا ارشاد ہے:

وَرَبُّكَ یَخْلُقُ مَا یَشَاءُ وَیَخْتَارُ مَا کَانَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ
سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ۔ (۲۸:۶۸)

(اور تمہارا ربّ جس چیز کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور پھر اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں میں سے جس چیز کو چاہتا ہے مزید ترقی دے کر درجۂ کمال پر پہنچانے کے لیے چُن لیتا ہے لیکن ایسا چناؤ ان لوگوں کے بس میں نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو معاذاللہ انسان خدا کا شریک ٹھہرتا لیکن خدا پاک ہے اور بلند ہے ہر اس چیز سے جسے یہ لوگ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں)

قبولِ حق کے لیے ترکِ باطل ضروری ہے

خودی جب اپنے نصب العین کی آرزو کی عملی تشفی اور تسکین کرنے لگتی ہے تو اسے معاً معلوم ہونے لگ جاتا ہے کہ کون کون سی چیزیں ہیں جو اس کے نصب العین کی نقیض ہیں اور جن کی آرزو وہ نہیں کر رہی اور جن کا وجود اس کی آرزو کے راستہ میں رکاوٹ ہے۔ باطل باہر سے نہیں آتا بلکہ حق کے ساتھ ہی اس کے نقیض کے طور پر خود بخود نمودار ہو جاتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے کہ جب ہم ایک سمت میں آگے بڑھ رہے ہوں تو ضروری ہوتا ہے کہ ہم اس کی مخالف سمت کو پیچھے چھوڑتے جائیں۔ حرکت کی فطرت میں ہے کہ اس سے بیک وقت دو سمتیں نمودار ہوتی ہیں، ایک موافق اور دوسری مخالف۔ تخلیق بھی ایک قسم کی حرکت ہے اور اس سے بھی دو سمتیں پیدا ہوتی ہیں، ایک موافق اور دوسری مخالف۔ خودی کے لیے نصب العین کی سمت حق ہے اور نصب العین کے خلاف کی سمت باطل ہے۔ جب خودی نصب العین کی طرف ایک قدم آگے بڑھتی ہے تو غیر نصب العین کو جو اس کے نقیض کے طور پر پاس ہی موجود ہوتا ہے، ایک قدم پیچھے چھوڑ جاتی ہے۔ حق کے قبول کو باطل کا ترک لازم آتا ہے اور جس حد تک ہم حق کو قبول نہیں کرتے ہم باطل کو قبول کرتے ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم حق کو قبول کریں اور باطل کو معاً ترک نہ کریں یا باطل کو قبول کریں اور حق کو معاً ترک نہ کریں۔ روشنی کا تصور تاریکی کے بغیر، سچ کا جھوٹ کے بغیر، انصاف کا ظلم کے بغیر اور حق کا باطل کے بغیر ممکن نہیں۔ جو شخص سچ انصاف اور حق سے محبت کرتا ہے ضروری ہے کہ وہ جھوٹ، ظلم اور باطل سے نفرت کرے۔ اسی طرح سے سچائی، انصاف اور حق کی اعانت جھوٹ، ظلم اور باطل کی مخالفت کے بغیر ممکن نہیں۔ خودی کے تخلیقی عمل کے ہر قدم پر جس طرح سے حق یا حسن ایک نئی شان سے جلوہ گر ہوتا ہے اسی طرح سے باطل بھی ایک نئی صورت میں اس کے سامنے آتا ہے اور حق یا حسن کی اس شان سے ہمکنار ہونے کے لیے باطل کی اس نئی صورت کو فنا کرنا خودی کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ ابلیس باطل کی قوتوں پر مسلط ہے۔ خودی کے لیے ضروری ہے کہ ان قوتوں سے کسی حالت میں بھی صلح نہ کرے بلکہ ان کے بالمقابل اپنی جلالی صفات کا مظاہرہ کرے اور ان کے ساتھ پوری قوت سے نبرد آزما ہو کر ان کو راستہ سے ہٹا دے۔ ورنہ اس کی ترقی اور تکمیل خطرہ میں

پڑجائے گی:

بزم با دیواست آدم را وبال!
رزم با دیواست آدم را کمال!

جلال کی تائید کے بغیر جمال بے اثر اور بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے کیونکہ وہ غیر محفوظ اور غیر مکمل سمجھا جاتا ہے۔ جمال کا کمال یہی ہے کہ وہ جلال کے ساتھ ہو ورنہ وہ ناقص ہے اور نقص حُسن کا نقیض ہے۔

نہ ہو جلال تو حُسن و جمال بے تاثیر
ترا نفس ہے اگر نغمہ ہو نہ آتشناک!
مجھے سزا کے لیے بھی نہیں قبول وہ آگ
کہ جس کا شعلہ نہ ہو تند و سرکش و بیباک

نغمہ حسین اور دلکش ہوتا ہے لیکن اگر وہ آتشناک نہ ہو یعنی غیر حسن کو جلا دینے اور برباد کرنے کی طرف راغب کرنے کا پہلو نہ رکھتا ہو تو وہ فقط ایک سانس ہے۔ یا سانس سے مرتب ہونے والی ایک آواز۔ آگ میں حسُن ہے کیونکہ وہ ایک نور ہے لیکن اگر سزا کے طور پر آگ میں جلنے کا بھی مزا ہو سکتا ہے تو یقیناً وہ اُس آگ میں نہیں ہو سکتا جس کا شعلہ تندی سرکشی اور بے باکی کی جلالی صفات سے عاری ہو۔

تخریب تعمیر کے لیے ناگزیر ہے

چونکہ کائنات کی تخلیق میں خدا کی صفات جلال و جمال دونوں اپنا کام کر رہی ہیں۔ کائنات میں ربوبیت یا تعمیر اور استیصال یا تخریب بھی دونوں ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو کارفرما ہیں تخریب تعمیر کی اغراض کے ماتحت اور اس کو کامیابی کی منزل تک پہنچانے کے لیے عمل میں آتی ہے لہٰذا کائنات کی تعمیر کی طرح تخریب بھی خدا کی محبت اور رحمت اور ربوبیت کی مظہر ہے اور خدا کی صفات جلالی بھی ویسی ہی قابلِ ستائش ہیں جیسی کہ صفاتِ جمالی۔ قرآن حکیم میں ایک مقام پر ارشاد ہے کہ جو قوم خدا کے نشانات کو جھٹلایا کرتی تھی۔ خدا نے اسے تباہ کر دیا اور جڑ سے اکھاڑ کر رکھ دیا اور پھر

اس کے بعد آیت کا تتمہ ہے کہ سب ستائش اللہ کے لیے ہے جو اہلِ جہان کا ربّ ہے۔ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اس قوم کی ہلاکت بھی خدا کی محبّت اور رحمت اور ربوبیّت کا مظہر تھی اور یہ وہ صفات ہیں جن کی وجہ سے خدا ستائش کے لائق ہے اس لیے کہ اگر یہ قوم تباہ نہ ہوتی تو تخلیق حسُن کے راستہ میں بدستور ایک رکاوٹ بنی رہتی اور پھر کائنات کی ربوبیّت اپنے کمال کو نہ پہنچ سکتی۔

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

(اور ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی گئی جنہوں نے ظلم کی روش اختیار کی تھی اور سب ستائش اللہ کے لیے ہے جو اہلِ جہان کا ربّ ہے۔)

ایک باغبان اپنے باغ کے حسُن کو قائم رکھنے کے لیے ضروری سمجھتا ہے کہ درختوں کے نیچے اور کیاریوں میں سے ایسے پودوں کو اکھاڑ کر باہر پھینک دے جو اس کے مقصد کے مطابق نہیں اور غیر ضروری ہونے کے علاوہ ان پودوں اور درختوں کی کھاد اور نمی کو جذب کر لیتے ہیں جن پر باغ کے حسُن کا دارومدار ہے۔ اس کے لیے درانتی کو استعمال کرنا اتنا ہی ضروری ہوتا ہے جتنا کہ پودوں کو کھاد اور پانی مہیا کرنا۔ اس کے تخریبی کام کے بغیر اس کا تعمیری کام بارآور نہیں ہوسکتا لہٰذا اس کا تخریبی کام بھی قابلِ ستائش ہے۔ اس نکتہ کو سمجھانے کے لیے مولانا روم ایک درزی کی مثال دیتے ہیں۔

جب ایک درزی کوٹ تیار کرنے لگتا ہے تو کپڑے کو بہت سے ٹکڑوں میں کاٹ دیتا ہے اور پھر بعض ٹکڑوں کو چن لیتا ہے اور بعض کو بیکار سمجھ کر رد کر دیتا ہے۔ اسے بجا طور پر کوئی نہیں پوچھتا کہ تم نے کپڑے کے ایک حصّے کو کیوں ضائع کر دیا ہے۔ (جاری ہے)

نقطۂ نظر

کیا سگریٹ نوشی حرام ہے؟

تحریر: احمد بن حجر، ترجمہ: ابو حبیب اللہ، ریاض

جہاں تک سگریٹ نوشی سے نہی (ممانعت) کا حکم ہے تو چونکہ یہ مکروہ وبا ہویں صدی ہجری کے بعد رواج پذیر ہوئی ہے' اس لئے فقہ کے مصدر اول میں تو اس کا ذکر ہمیں نہیں مل سکتا اور پھر شروع شروع میں تو اکثر علماء اس بات سے بھی بے خبر تھے کہ کیا یہ نشہ آور ہے یا اعصاب کو ڈھیلا کرنے والی ہے اور کیا یہ صحت پر بھی برا اثر ڈالتی ہے یا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شروع میں علماء میں اختلاف رہا ہے' کچھ علماء اس کو حرام اور کچھ مکروہ قرار دیتے رہے ہیں اور بعض کی رائے یہ تھی کہ جس کو نقصان پہنچائے اس کیلئے حرام اور جس کو کچھ نقصان نہ دے اس کیلئے حرام نہیں ہے۔ پاکستان میں عموماً اس کو مکروہ کہہ کر اس کے بارے میں اسلامی احکام کی شدت کو بالکل کم کر دیا جاتا ہے اور اس کے بارے میں اتنا مواد شائع نہیں کیا جاتا جتنا کہ اس کی مخالفت میں علماء کو اپنا کردار ادا کرنا چاہئے۔ لیکن عالم عرب کے علماء اس خبیث چیز کو حرام قرار دیتے ہیں اور شروع سے ہی اس کے خلاف سرگرم عمل ہیں۔ کیونکہ بنظر غائر مطالعہ کرنے اور سگریٹ نوشی کرنے والے حضرات کے حالات کا جائزہ لینے سے اور سلف صالحین کے اقوال اور علماءِ عصر کے بیانات کے علاوہ موجودہ دور کے ڈاکٹروں کی آراء کو دیکھتے ہوئے اس خبیث شے کی حقیقت حال واضح ہو جاتی ہے اور یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اس کا استعمال شرعی لحاظ سے حرام کا درجہ رکھتا ہے خواہ وہ کسی طریقے سے بھی کیا جائے جیسے پائپ' سگریٹ' حقہ یا تمباکو کو منہ میں رکھنے اور چبانے کے طریقے سے۔ کیونکہ تمباکو سے کبھی تو نشہ ہو جاتا ہے اور کبھی یہ اعصاب پر اثر انداز ہوتا ہے اور یہ دونوں چیزیں حرام ہونے کی دلیل ہیں۔

علاوہ ازیں طبّی طور پر بھی یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ تمباکو کا استعمال انسانی صحت کیلئے انتہائی مضر ہے اور بدن کیلئے بے شمار بیماریوں کا موجب بنتا ہے اور اس نقطۂ نظر سے تو عموماً

اخبارات میں مقالات چھپتے رہتے ہیں

تمباکو نوشی شرعاً حرام ہونے کے دلائل :۔

سگریٹ نوشی کے حرام ہونے کیلئے متعدد دلائل موجود ہیں اور ان میں سے ہر دلیل اتنی قوی ہے کہ اس کا تقاضا ہے کہ سگریٹ نوشی پر حرام ہونے کا حکم لگایا جائے۔ ذیل میں چند دلائل کا ذکر کیا جارہا ہے :۔

(۱) تمباکو خبیث شے ہے۔

سگریٹ ایک خبیث شے ہے اور ہر سلیم الفطرت انسان کے نزدیک یہ خبائث میں شمار کی جاتی ہے اور قرآن پاک میں ارشادِ ربّانی ہے کہ حضور اکرمؐ کے صفات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ

یُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ

"کہ وہ طیبات کو حلال قرار دینے والے ہیں اور ہر خبیث چیز کو ان کیلئے حرام کرنے والے ہیں"

اور تمباکو کا خبث تو اسی بات سے عیاں ہے کہ اس کی بدبو کریہہ ہوتی ہے۔

(۲) ...... بے شک سگریٹ جیسی خبیث چیز میں رقم صرف کرنا سراسر فضول خرچی ہے' جب کہ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے۔

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا۔

"اور ہرگز فضول خرچی نہ کرو بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب سے انکار کرنے والا ہے"

فضول خرچی اس کو کہتے ہیں جب مال کو بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے یا بغیر کسی دنیاوی فائدے کے صَرف کیا جائے اور سگریٹ میں کون سی اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے یا کونسی دنیاوی منفعت ہے؟

اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ اس میں کچھ فائدہ ہے تب بھی اس کے نقصانات اس کے فائدہ سے کئی گناہ زیادہ ہیں اور جس چیز کے بھی نقصانات اس کے فائدے سے زیادہ ہوں وہ

حرام ہے۔
(۳) ...... تمباکو ان لوگوں کیلئے نشہ کا سبب بنتا ہے جو پہلی دفعہ سگریٹ نوشی کریں یا ایک عرصہ تک اس عادت کو چھوڑ کر دوبارہ شروع کریں۔ اور یہی وجہ اس کے حرام قرار دیئے جانے کیلئے کافی ہے کیونکہ شریعت کے اعتبار سے کسی چیز کے حرام ہونے کیلئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ چیز ہر شخص کیلئے نشہ آور ہو اور خصوصاً اس کے عادی لوگوں کیلئے نشہ کا اثر رکھتی ہو۔
تمباکو نوشی کا نشہ آور ہونا تو یقینی طور پر ثابت ہو چکا ہے کیونکہ اس کے کتنے پینے والے اپنے حواس گم کر دیتے ہیں اور کئی لوگ ہیں جو آگ میں گر جاتے ہیں اور جل جاتے ہیں اور کتنے ہیں جو سمندر میں گر کر غرق ہو گئے یا کنوؤں میں ڈوب کر مر گئے۔

(۴) ...... تمباکو نوشی مُفتِر ہے اور مفتر وہ چیز ہوتی ہے جو اعضاء پر اثر انداز ہو اور ان کو ڈھیلا کر دے اور ان کو کمزور بنا دے اور حدیث شریف میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ :

نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كُلِّ مُسْكِرٍ وَ مُفْتِرٍ

منع فرمایا رسول اللہ نے ہر مسکر اور مفتر چیز سے ۔

اس حدیث شریف کو امام احمد اور ابو داؤد دونوں نے نقل کیا ہے۔
(۵) ...... اس کی بو کریہہ ہوتی ہے اور ان لوگوں کو تکلیف پہنچاتی ہے، جو سگریٹ نوشی نہیں کرتے۔ خصوصاً نمازِ با جماعت اور دیگر دینی اجتماعات میں، بلکہ یہ بو تو فرشتوں کو بھی تکلیف پہنچاتی ہے
حضرات شیخین (بخاری و مسلم) نے حضرت جابرؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے :
من اكل بصلًا او ثوما فليعتز لنا و ليعتزل مسجدنا و ليقعد في بيته ۔
ترجمہ : جس کسی نے پیاز یا لہسن کھایا ہو وہ ہم سے دور رہے اور ہماری مسجد سے الگ رہے اور اپنے گھر میں بیٹھا رہے۔
اور یہ تو سب کو معلوم ہے کہ سگریٹ کی بو پیاز اور لہسن کی بو سے کسی صورت کم نہیں ہے اور پیاز اور تھوم میں تو فوائد بھی پائے جاتے ہیں اور یہ دونوں حلال اشیاء ہیں جب کہ

سگریٹ کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔
(٦) ..... اس کے مضرِ صحت ہونے کی وجہ سے یہ حرام ہے کیونکہ طبّی تجربات کی روشنی میں اس کا مضرِ صحت ہونا ثابت ہو چکا ہے اور کوئی چیز بھی جو مضرِ صحت ہو اس کا استعمال سب علماء کے نزدیک کم از کم ناجائز ہے۔

اس کے بعض طبّی نقصانات مندرجہ ذیل ہیں :۔

(١) ..... دل کو خراب کر دیتا ہے۔
(٢) ..... اعصاب کو کمزور کر دیتا ہے۔
(٣) ..... رنگ زرد کر دیتا ہے اور خصوصی طور پر دانتوں کے رنگ پر اثر انداز ہوتا ہے۔
(٤) ..... بلغم اور کھانسی کا سبب بنتا ہے۔
(٥) ..... سینے کے امراض کا باعث بنتا ہے۔
(٦) ..... پھیپھڑوں کے سرطان اور دل کے امراض اور حرکتِ قلب بند ہو جانے سے موت کا سبب بن جاتا ہے۔
(٧) ..... تمباکو ذائقہ خراب کر دیتا ہے اور نظامِ ہضم میں دشواری کے علاوہ بھوک بھی مٹا دیتا ہے۔
(٨) ..... خون کے خلیہ جات کو خراب کر دیتا ہے اور دل پر بھی اثر کرتا ہے اس طرح دل کی دھڑکن کے نظام میں بھی گڑبڑ کر دیتا ہے۔

تمباکو نوشی کی تباہ کاریوں کے سلسلے میں جو یہ پھیپھڑوں کے سرطان کے مرض کے سبب کرتی ہے اور جس کے متعلق بے شمار ماہرینِ اہلِ علم لکھتے رہتے ہیں، ہم مجلّہ "دینا العلم" کے سال اول کے شمارہ نمبر ۹ کے کچھ اقتباسات کا ترجمہ پیش کرتے ہیں۔

"اب وہ وقت آگیا ہے کہ سگریٹ نوشی کی تباہ کاریوں سے ہر ایک کو خبردار کیا جائے کیونکہ یہ فضول چیز موت کے دروازے تک پہنچا دیتی ہے اور بے شمار اور بڑے پیمانے پر مصائب و آلام کا سبب بنتی ہے"

"ہمارا یہ فرضِ منصبی ہے کہ ہم سگریٹ کے نقصانات سے ہر ایک کو آگاہ کر دیں تاکہ

نئی نسل کے سمجھ دار اور مہذب نوجوان اس زہریلے مادّے سے دامن بچا سکیں، جو تمباکو نوشی کے موضوع پر ہونے والی بحث کو دلچسپی اور تعجّب سے سنتے رہتے ہیں"

"سگریٹ کے سبب خون کمزور پڑ جاتا ہے اور خون کی شریانوں سے متعلق تمام بیماریوں کا تعلق اسی بد عادت سے ہے اور پھیپھڑوں کے سرطان کا تعلق تو بہت ہی زیادہ تمباکو نوشی سے ہے"

"یہ مرض شروع شروع میں بہت کم پایا جاتا تھا لیکن اس صدی کی آخری تہائی میں اس میں بہت زیادہ اضافہ ہو چکا ہے۔ اس صدی کے پہلے ساٹھ سالوں میں پھیپھڑوں کے سرطان کے سبب سے وفات پانے والوں کی تعداد پچھلی صدی کے اس مماثلہ عرصے میں اس مرض سے مرنے والوں سے بہت زیادہ تھی"

یہاں تک اس مجلے کی رپورٹ ختم ہوتی ہے۔

تمباکو نوشی کا حرام ہونا۔

شاید قارئین کیلئے یہ بات نئی ہو کہ فقہاء اسلام نے سگریٹ کو حرام قرار دیا ہے لیکن در حقیقت یہ رائے اور فتویٰ نیا نہیں ہے، بلکہ اہل سنت کے چاروں فقہی مذاہب کے علماء اس کے حرام ہونے کا فتویٰ دے چکے ہیں چونکہ پاکستان میں اکثریت فقہ حنفی کی پیرو ہے، اس لئے سب سے پہلے حنفی مسلک کے علماء کے فتووں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

عرب دنیا کے حنفی علماء میں سے الشیخ محمد العیدینی نے سگریٹ کو حرام قرار دیا ہے اور ان کا لکھا ہوا ایک رسالہ بھی ہے جو حرمتِ تمباکو نوشی کے بارے میں ہے اس میں انہوں نے سگریٹ کو چار اسباب کے پیشِ نظر حرام قرار دیا ہے۔ ان اسباب کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔

علاوہ ازیں اس مسلک کے علماء میں سے الشیخ محمد الخواجہ، عیسیٰ الشھادی الحنفی اور مکی بن فروخ، الشیخ سعد البلخی المدنی اور عمر ابن احمد المصری الحنفی اور مفتی اسطنبول ابو السعود وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ یہ وباء دسویں صدی ہجری کے بعد شروع ہوئی ہے اس لئے ہمیں اس کے حکم کے بارے میں امام اعظم ابو حنیفہؒ کا حکم نہیں مل سکتا کیونکہ ان کے زمانے میں اس کا وجود ہی نہیں تھا۔

شافعی علماء میں سے ریاض الصالحین کی شرح تحریر کرنے والے عالم ابن علّان نے تمباکو نوشی کی حرمت کا فتویٰ دیا ہے اور اس بارے میں ان کے دو کتابچے بھی موجود ہیں۔ ان کے علاوہ الشیخ عبدالرحیم الغزی' ابراہیم بن جمعان اور ان کے شاگرد ابو بکر الاہدل اور قلیوبی اور الیجیر می وغیرہ کے علاوہ بھی دوسرے کئی علماء نے اس کو حرام قرار دیا ہے (یہ سب عرب ممالک کے علماء ہیں) مالکی مسلک کے علماء میں سے حضرت کنونؒ قابل ذکر ہیں۔ کافی لمبی بحث کے بعد وہ تحریر فرماتے ہیں۔

"اور بعد کے علماء میں سے اکثر اس کی ممانعت اور شدّت سے منع کرنے کے قائل ہیں۔ ان میں سے عالم محقق ابو زید سیدی' عبدالرحمٰن الفاسی نے لکھا ہے کہ اس چیز کو ایک لحظہ تاخیر کئے بغیر قبول کر لینا چاہئے' کیوں کہ اس میں ہمارے دین و دنیا کی بھلائی ہے اور اس بات کو ہر طرح سے نشر کرنا اور پھیلانا ہم پر واجب ہے اور تمام اسلامی ملکوں میں اس کو عام کیا جانا چاہئے کہ بے شک تمباکو نوشی اور تمباکو کا استعمال حرام ہے کیونکہ جن لوگوں کو پہچان اور تجربہ حاصل ہے انہوں نے یہ بات تسلیم کی ہے کہ تمباکو اعضاء کو ڈھیلا کر دیتا ہے اور نشہ کی کیفیت میں کر دیتا ہے۔ اس طرح یہ بھی شراب کی ابتدائی حالت سے مشابہ ہے"۔

مالکی مسلک کے دوسرے علماء میں سے الشیخ ابراہیم اللقانی' الشیخ سالم اسنصو ری اور کئی علماء نے اس کو حرام قرار دیا ہے۔

جہاں تک حنبلی مسلک کے علماء کا تعلق ہے تو وہ تو سب کے سب اس کے حرام ہونے پر متفق ہیں سوائے چند ایک کے (جن کی کوئی اہمیت نہیں ہے) اور عام لوگوں میں یہ بات اتنی مشہور ہو گئی ہے کہ جو کوئی سگریٹ کو حرام قرار دیتا ہے وہ اس کو فوراً حنبلی اور وہابی کہہ دیتے ہیں کیونکہ انہیں یہ زعم باطل ہو گیا ہے کہ تمباکو تو صرف حنبلی وہابی علماء نے ہی حرام قرار دیا ہے حالانکہ حقیقتِ حال یہ ہے کہ تمام مذاہب کے علماء نے اس کو حرام قرار دیا ہے اور اس کی حرمت میں رسالے تحریر کئے ہیں۔

موجودہ دور میں ذرائع نشرواشاعت کے ذریعے اور اخبارات ورسائل میں عموماً اس موضوع پر ان تنظیموں کی طرف سے مقالات شائع ہوتے رہتے ہیں' جو دینی مسائل سے قطع نظر صرف اور صرف طبّی نقطۂ نظر سے تمام نشہ آور اشیاء کے خلاف سرگرمِ عمل ہیں اور انہی میں سے ایک تمباکو نوشی بھی ہے۔

★★

این آئی ٹی یونٹس کی شرعی حیثیت

محترمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وعلی الذین معکم

"حکمتِ قرآن" بابتہ ماہ رواں کے صفحہ ۴۶ کے حوالہ سے عرض ہے کہ چند ماہ قبل ہی "البلاغ" میں مولانا تقی عثمانی صاحب کا فتویٰ این آئی ٹی میں سرمایہ کاری کے حرام ہونے کے متعلق شائع ہوا ہے۔ پہلے وہ اس کے جواز کے قائل تھے اور مجھے لکھا بھی تھا مگر ۸۸-۱۹۸۷ کے گوشوارے گوشوارہ دیکھنے کے بعد ان کی رائے بدل گئی ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوا ہے کہ این آئی ٹی ایسے اداروں میں شریک ہے جن کا سودی کاروبار ہے۔

اگر سی بی آر کی طرف سے جبر ہی ہے تو پھر آپ یونٹس خرید لیں مگر منافع نہ لیں یا لے کر بلا نیتِ ثواب کے کسی ضرورت مند شخص یا ادارہ کو دے دیں، مثلاً ایدھی ٹرسٹ یا الانصار برنی کا ادارہ پرزنرس ایڈ سوسائٹی وغیرہ۔

والسلام

دعا جو و دعا گو

خسروی

پس نوشت: آپ مراسلت میں اور مطبوعات پر اپنا نیا پوسٹل کوڈ نمبر (۵۴۷۰۰) لکھوانا شروع کر دیں تو ڈاک کی گمشدگی کا امکان کم ہو جائے۔

عن عثمان قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ

SUBSCRIPTION RATES
OVERSEAS

U S A US $ 12/=
c/o Dr. Khurshid A. Malik
SSO 810 73rd street
Downers Grove Il 60516
Tel: 312 969 6755

c/o Mr. Rashid A. Lodhi
SSO 14461 Maisano Drive
Sterling Hgts MI 48077
Tel: 313 977 8081

CANADA US $ 12/=
c/o Mr. Anwar H. Qurashi
SSO 323 Rusholme Rd #1809
Toronto Ont M6H 2Z2
Tel: 416 531 2902

UK & EUROPE US $ 9/=
c/o Mr. Zahur ul Hassan
18 Garfield Rd Enfield
Middlesex EN 34 RP
Tel: 01 805 8732

MID-EAST DR 25/=
c/o Mr. M. Ali Javed
P.O.BOX 4966
Dubai UAE
Tel: 459112

ABU DHABI DR 25/=
c/o Mr. M. Ashraf Farooq
JKQ P.O.Box 27628
Abu Dhabi UAE
Tel: 479192

K S A SR 25/=
c/o Mr.M. Rashid Umar
P.O.Box 251
Riyadh 11411
Tel: 476 8177

JEDDAH SR 25/=
c/o Mr. Muhammad A. Habib
CC 720 Saudia P.O.box 167
Jeddah 21231
Tel: 651 3140

INDIA US $ 6/=
C/O Mr. Hyder M. D. Ghauri
AKQI 4-1-444 2nd Floor
Bank St Hyderabad 500001
Tel: 42127

To, Maktaba Markazi Anjuman Khudam ul Quran Lahore
United Bank Ltd Model Town Ferozpur Road Lahore

اشاریہ حکمتِ قرآن جلد ۷

جنوری ۱۹۸۸ء تا دسمبر ۱۹۸۸ء

مرتب: حافظ خالد محمود خضر

قرآنیات

اسرار احمد، ڈاکٹر

درسِ قرآن ـــ سورۃ محمد (قسط : ۱۰)	جنوری ۸۸ء	ص۵
" " " " (" : ۱۱)	فروری ۸۸ء	ص۶
" " " " (" : ۱۲)	مارچ ۸۸ء	ص۶
آیۃ الکرسی (نشری تقریر)	اگست ۸۸ء	ص۱۱
وانتم الاعلون (" ")	اکتوبر ۸۸ء	ص۹
زندگی، موت اور انسان ـــ آئینۂ قرآنی میں	مئی ۸۸ء	ص۱۸

امینی، مولانا محمد تقی

ھدایۃ القرآن

(قسط : ۲۱) دین کی بنیادی باتوں پر عمل نہ کرنے کے اثرات	فروری ۸۸ء	ص۷
(" : ۲۲) دین کی بنیادی باتوں پر عمل کرنے میں رکاوٹیں	مارچ ۸۸ء	ص۸
(" : ۲۳) بے جان ایمان اور ناقص دین کے زندگی میں اثرات	جون ۸۸ء	ص۸
(" : ۲۴) اللہ کی ہدایت اور اس کے لانے والوں سے روگردانی اور ان کے ساتھ دشمنی کا انجام	جولائی ۸۸ء	ص۷
(" : ۲۵) شیطانی علم اور سفلی عمل کے پیچھے لگنا گری ہوئی قوموں کا شیوہ ہے	اگست ۸۸ء	ص۹
(" : ۲۶) رسولؐ کی شان میں زیادہ سے زیادہ ادب ملحوظ رکھنے کی تاکید	اکتوبر ۸۸ء	ص۷
(" : ۲۷) غیر متعلق سوال اور بے جا اعتراض سے زندگی کی سطح کا پتہ چلتا ہے	دسمبر ۸۸ء	ص۳

قاسمی، مولانا اخلاق حسین

تفسیر قرآن سے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ — اکتوبر ۸۸ء — ص۱۴

محمد رضی الاسلام ندوی

مولانا فراہیؒ کی تفسیر سورۃ الفیل — ایک جائزہ (۱) — فروری ۸۸ء — ص۳۱

〃 〃 〃 〃 〃 — 〃 (۲) — مارچ ۸۸ء — ص۳۲

فلسفہ وتصوّف

انصار احمد، ڈاکٹر

انسان کا غیر مادّی تشخص — جولائی ۸۸ء — ص۱۱

احمد یار، پروفیسر حافظ

اسلام کا روحانی نظام — دسمبر ۸۸ء — ص۷

اختر الحسن بھٹی، پروفیسر

تصوّف بحیثیت مذہبی واردات — جولائی ۸۸ء — ص۴۹

اسرار احمد، ڈاکٹر

زندگی، موت اور انسان — آئینۂ قرآن میں — مئی ۸۸ء — ص۱۵

عظمتِ صوم — حدیث قدسی کی روشنی میں — 〃 ۸۸ء — ص۴۵

خالد حمید ضیغم (مترجم)

ڈیپریشن کا علاج بذریعہ نماز تہجد — اکتوبر ۸۸ء — ص۲۴

غلام محمد، مولانا ڈاکٹر

اسلام کا نظام روحانی — اگست ۸۸ء — ص۱۷

محمد رفیع الدین مرحوم، ڈاکٹر

منشورِ اسلام (۹) — جنوری ۸۸ء — ص۳۶

(۱۰) — مارچ ۸۸ء — ص۱۹

یوسف سلیم چشتی مرحوم، پروفیسر

فلاسفہ کا تصوّرِ خدا — جنوری ۸۸ء — ص۲۳

کانٹ سے مارکس تک (۱) — فروری ۸۸ء — ص۴۷

〃 〃 〃 (۲) — مارچ ۸۸ء — ص۴۵

حقیقتِ نفس و روح — جون ۸۸ء — ص۲۱

نبوّت و رسالت

اسرار احمد، ڈاکٹر		
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصدِ بعثت	ستمبر ۸۸ء	صـ ۹
انقلابِ نبوی کا اساسی منہاج	" "	صـ ۵۲
شبیر حسین شاہ زاہد		
عقیدۂ ختمِ نبوّت	اکتوبر ۸۸ء	صـ ۲۸
عبدالباسط، مولانا قاری		
لولاک لما خلقت الافلاک کے بارے میں وضاحت	اگست ۸۸ء	صـ ۶۱
قاسمی، مولانا اخلاق حسین		
نبی علیہ السلام میں تکوینی اختیار	جولائی ۸۸ء	صـ ۳۶
نعیم احمد، ڈاکٹر		
اُمّی کے معنی اور پیغمبرانہ شعور	جون ۸۸ء	صـ ۳۲

فقہ

ابوعبداللہ ریاض (مترجم)		
سگریٹ نوشی حرام ہے	دسمبر ۸۸ء	صـ ۵۱
محمد رفیق چوہدری		
عورت کے چہرے کا پردہ	جون ۸۸ء	صـ ۵۵
محمد طاسین، مولانا		
ربٰو اور مضاربت میں فرق (۲)	جنوری ۸۸ء	صـ ۴۹
" " " " (۳)	فروری ۸۸ء	صـ ۱۹
پیش لفظ (مروّجہ نظام زمینداری اور اسلام)	جون ۸۸ء	صـ ۱۳
اجتہاد اور اجتہادی مسائل	جولائی ۸۸ء	صـ ۱۹
محمود الحسن عارف، ڈاکٹر		
اراضیٔ پاک و ہند کی شرعی حیثیت	اگست ۸۸ء	صـ ۳۱

اقبالیات

اسرار احمد ڈاکٹر / جامعی، محمد عبدالملک

اقبال کا مقام	جنوری ۸۸ء	ص۱۷

محمد رفیع الدین مرحوم، ڈاکٹر

حکمتِ اقبال (۱۰)	فروری ۸۸ء	ص۵۷
" " (۱۱)	جون ۸۸ء	ص۲۸
" " (۱۲)	جولائی ۸۸ء	ص۵۸
" " (۱۳)	اگست ۸۸ء	ص۱۹
" " (۱۴)	اکتوبر ۸۸ء	ص۱۷
" " (۱۵)	دسمبر ۸۸ء	ص۴۱

نذیر نیازی مرحوم

اقبال اور قرآن	نومبر ۸۸ء	ص۳۶

یوسف سلیم چشتی مرحوم، پروفیسر

حیات و سیرتِ اقبال ۔ ایک اجمالی خاکہ	" "	ص۵
فلسفۂ اقبال	" "	ص۱۲
ملتِ اسلامیہ کے نام اقبال کا پیغام	" "	ص۲۵

متفرقات

عبدالرشید عراقی

علامہ سید سلیمان ندوی	دسمبر ۸۸ء	ص۱۸

لطف الرحمٰن خان

قرآن کالج	جنوری ۸۸ء	ص۵۶
کیا عربی زبان مشکل ہے !	اکتوبر ۸۸ء	ص۵۷

ولایت البہاری، الاستاذ

معھد القرآن العظیم (عربی نظم)	جنوری ۸۸ء	ص۶۱

محاضراتِ قرآنی کی روداد (ماخوذ از "ندا" لاہور)	جون ۸۸ء	ص۵۱
انجمن خدام القرآن سندھ کی سالانہ رپورٹ (مرتّب: حامد علی رضوی)	اکتوبر ۸۸ء	ص۵۷

تعارف وتبصرہ

احکامِ ستر وحجاب	عبدالرحمٰن کیلانی	جنوری ۸۸ء	ص۶۱
خدا کہاں ہے!	منشی عبدالرحمٰن خان	" "	ص۶۳
نورِ سحر	مولانا محمد نذیر الدین	فروری ۸۸ء	ص۷۱
پرویز اور قرآن	مولانا مفتی مدار اللہ	" "	ص۷۱
چند ناقابلِ فراموش شخصیات	منشی عبدالرحمٰن خان	" "	ص۷۲
قادیانیت	مولانا محمد یوسف لدھیانوی	" "	ص۷۲
آئینۂ پرویزیت	عبدالرحمٰن کیلانی	مارچ ۸۸ء	ص۶۱
ریڈیو تقاریر	سید زوار حسین شاہ	جون ۸۸ء	ص۶۲
گلدستۂ عربی	سید فضل الرحمٰن	" "	ص۶۴
مولانا آزاد کی قرآنی بصیرت	مولانا اخلاق حسین قاسمی	اگست ۸۸ء	ص۶۳
تحریکِ مسجد شہید گنج	جانباز مرزا	" "	ص۶۴
نقد الحدیث لدی المسلمین مع دراسته موضوعات ابن ماجه	مولانا صہیب حسن عبدالغفار	اکتوبر ۸۸ء	ص۵۳

اداریے

حکمتِ قرآن کے ادارتی صفحات پر ہر ماہ بالعموم "حرفِ اوّل" کے عنوان سے حافظ عاکف سعید صاحب کی تحریر شاملِ اشاعت ہوتی ہے — !

دعوت رجوع الی القرآن کی اساسی دستاویز

ڈاکٹر اسرار احمد کی مقبولِ عام تالیف

مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق

خود پڑھیے اور دوستوں اور عزیزوں کو تحفۃً پیش کیجئے

نوٹ

اس کتابچے کا انگریزی، عربی، فارسی اور سندھی زبان میں بھی ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ اس کے حقوقِ اشاعت نہ ڈاکٹر صاحب کے حق میں محفوظ ہیں نہ انجمن کے

شائع کردہ

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور

۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن، لاہور۔ فون: ۸۵۲۶۸۳

ان شاء اللہ العزیز وبعونہٖ تعالےٰ

انجمن خدّام القرآن کے قرآنی محاضرات کے ساتھ ساتھ

رکیس آڈیٹوریم کراچی ہی میں ۱۷ تا ۲۲ دسمبر ۱۹۸۸ء

تنظیمِ اسلامی کی مرکزی تربیّت گاہ

بھی منعقد ہو گی، جس میں

- ★ قرآن حکیم کے دعوتی اور تربیتی نصاب اور
- ★ تزکیۂ نفس کے اصول و مبادی' کے علاوہ
- ★ موجودہ حالات میں اسلامی انقلاب کا طریق و منہاج' اور
- ★ دعوت و تنظیم کی راہ کی مشکلات اور اُن کا حل

ایسے اہم موضوعات پر مذاکرات ہوں گے

تنظیمِ اسلامی کے رفقاء ابھی سے رخصت وغیرہ کا بندوبست شروع کر دیں اور زیادہ سے زیادہ ۱۷ دسمبر ۸۸ء کی سہ پہر تک ضرور کراچی پہنچ جائیں۔ وہاں سے واپسی کے لیے جمعرات ۲۲ دسمبر کی بعد دوپہر بکنگ کرائی جائے۔

●

المعلن: (میاں) محمد نعیم' ناظمِ اعلیٰ' تنظیمِ اسلامی پاکستان

۶۷۔اے' علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو' لاہور

(فون:۔ ۳۰۵۱۱۰)

DECEMBER 1988 Regd No. L. No. 8193

MONTHLY
HIKMAT_E_QURAN
LAHORE

VOL. 7
NO. 12

ڈاکٹر اسرار احمد کی ایک اہم تالیف

جسے بجا طور پر سلسلۂ اقبالیات میں "بقامت کہتر و بقیمت بہتر" کی مصداق کامل
قرار دیا جا سکتا ہے

علامہ اقبال اور ہم

عنوانات: مصورِ پاکستان ، قافلۂ ملّی کا حدی خواں
رومیٔ ثانی ، عظمتِ قرآن کا نشاں
واقفِ مرتبہ و مقامِ قرآن ——— اور
داعی الی القرآن

قیمت فی نسخہ: صرف تین روپے

شائع کردہ
مکتبہ مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور
۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن، ٹیلی فون: ۸۵۶۰۰۳